Web Site
www.Muhaddis.net

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

محدث

مارچ ۲۰۰۲ء

- بھارتی مسلمان اور **ہم**!
- تہذیبی تصادم، المیہ افغانستان اور عالم اسلام کا کردار
- مولانا محمد اسمٰعیل سلفیؒ
- پاکستان پر نئی تہذیبی یلغار

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL PAKISTAN

مجلس التحقیق الاسلامی

اہم اعلان

معزز قارئین کرام! کتاب وسنت ڈاٹ کام پر آن لائن مطالعہ اور ڈاؤن لوڈنگ کے لیے مہیا کیے جانے والے تمام یونی کوڈ رسائل وجرائد چونکہ سوفٹ ویئر کی مدد سے ان پیج سے یونی کوڈ میں تبدیل کیے جاتے ہیں لہذا ان میں اغلاط کا امکان بہرحال موجود ہے۔ یونی کوڈ فارمیٹ میں مہیا کرنے کا بنیادی مقصد سرچنگ میں سہولت پیدا کرنا ہے۔ لہذا آپ سے التماس ہے کہ برائے مہربانی غلطیوں سے محفوظ مواد کے حصول کے لیے پی ڈی ایف (PDF) فارمیٹ میں موجود فائلز کو ڈاؤن لوڈ کیجیے۔ نیز نوٹ فرمالیں کہ پی ڈی ایف (PDF) اور (Word) فائلز میں کسی بھی قسم کے اختلاف کی صورت میں ہمارے نزدیک (PDF) فائلز کو ترجیح ہوگی۔

گھر بیٹھے محدث وصول کیجئے

معزز قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کے لیے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں:

فی شمارہ: 20 روپے　　زرسالانہ: 200 روپے　　بیرون ملک: 20 ڈالر سالانہ

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ 200 روپے بھیج کر سال بھر کے لیے گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں

ایڈریس: ماہنامہ محدث 99 جے بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700

فون نمبرز: 042-5866476,5866396,0321-4340803

نوٹ: برائے مہربانی ویب سائٹ کے ذریعے محدث آرڈر کرنے والے احباب ویب سائٹ کا حوالہ ضرور لکھیں۔ شکریہ

مزید تفصیلات کے لیے webmaster@KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

www.Mohaddis.com

ملّت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

مُحدِّث

لاہور

حافظ عبدالرحمٰن مدنی
مدیر اعلیٰ

حافظ حسن مدنی
مدیر

فہرست مضامین

فکر و نظر

بھارتی مسلمان اور ہم! — اداریہ — ۲
تہذیبی تصادم، المیہ افغانستان اور عالم اسلام — فضل صلاح الدین یوسف — ۱۲

دار الإفتاء

سسرال میں نمازِ قصر، ظہر کی ۴ رکعت ایک سلام سے..... — حافظ ثناء اللہ مدنی — ۲۹

ایمان وعقائد

شرک اور اس کی مختلف مروّجہ صورتیں II — مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ — ۳۴

تہذیب و ثقافت

ویلنٹائن ڈے پر شرمناک طرزِ عمل — محمد عطاء اللہ صدیقی — ۴۳

تذکرۃ المشاہیر

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ — عبدالرشید عراقی — ۵۱

تعارف کتب

آئینۂ پرویزیت، معراج المومنین، شیخ سرہندؒ — مولانا محمد رمضان سلفی — ۶۳

جلد ۳۴ / شمارہ ۳
محرّم الحرام ۱۴۲۳ھ
مارچ ۲۰۰۲ء

زرسالانہ ۲۰۰/روپے
فی شمارہ ۲۰/روپے

بیرونِ ممالک
زرسالانہ ۲۰/ڈالر
فی شمارہ ۲/ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
Ph: 5866476, 5866396, 5839404
Email: hhasan@wol.net.pk

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلّی اتفاق ضروری نہیں

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Publisher: Hafiz Abdul Rahman Madani
Printer: Shirkat Printing Press, Lahore

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

بھارتی مسلمان اور ھم !

پاکستان کا قیام دوقومی نظریہ کی بنیاد پر عمل میں آیا۔ اس کا مرکزی خیال یہ تھا کہ مسلمان اپنے دینی عقائد، تصورِ عبادت، قانون وشریعت، تہذیب وثقافت اور تاریخی روایات کی بنا پر ہندوؤں سے الگ قوم ہیں۔ اسلام نے رنگ ونسل، زبان وعلاقہ کی وحدت کی بجائے نظریہ کی وحدت کو مسلم قومیت (ملت☆) کی بنیاد ٹھہرایا۔ اسلام نے تمام بنی نوع انسان کو ملتِ اسلامیہ اور ملتِ کفریہ میں تقسیم کیا ہے۔

کلیسا کے مذہبی تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے لئے یورپ کے فلسفیوں نے 'قومی ریاست' کا تصور پیش کیا جو گذشتہ ۴ سو سال سے ان کے ہاں مقبول رہا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے جب نظریاتی ریاست اور اسلامی قومیت کا تصور پیش کیا تو کانگریس کے راہنماؤں نے اسے فرقہ وارانہ تعصب قرار دیتے ہوئے انڈیا کی وحدت کے لئے خطرہ قرار دیا۔ مسلمانوں کو علیحدہ ریاست سے محروم رکھنے کے لئے گاندھی، نہرو اور دیگر نیشنلسٹ راہنماؤں نے متحدہ قومیت کا تصور پیش کیا۔ مگر یہ سوچ اس وقت بھی فریب انگیز تھی اور آج بھی غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ ۵۵ سال کے بعد بھی دوقومی نظریہ ایک آفاقی صداقت کے طور پر زندہ ہے۔ مہاتما گاندھی نے کہا تھا کہ ہندو اور مسلمان میری دو آنکھیں ہیں، یہ ماضی کی افسوسناک تاریخ بھول کر بھائیوں کی طرح اکٹھے رہ سکتے ہیں مگر قائداعظم نے اس کو فریب اور مغالطہ آمیز تصور کہا۔

احمد آباد کے حالیہ مسلم کش فسادات نے دوقومی نظریہ کی صداقت کو ایک دفعہ پھر واضح کردیا ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کو دو آنکھیں قرار دینے والے گاندھی کے دیس میں مسلمانوں کے لئے اپنے ہی وجود کو باقی رکھنا ایک چیلنج بن گیا ہے۔ آج بھارت میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی خلیج پُر ہونے کی بجائے مزید گہری ہوگئی ہے۔ معروف ہندو صحافی نے اپنے حالیہ مضمون میں اعتراف کیا ہے:

> ''گجرات میں قتل و غارت ایک بدترین واقعہ ہے۔ مگر یہ علامت ہے، اصل مرض نہیں۔ اصل بیماری ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو تقسیم ہند کے ۵۵ سال کے بعد مزید بڑھا ہے۔ ہم نے دنیا کا سب سے زیادہ سیکولر آئین بنایا ہے لیکن ہم اس آئین کو نافذ کرنے کے لئے

☆ قرآن کے الفاظ میں اس تصور کی درست تعبیر 'قومیت' کے بجائے 'ملت' کے لفظ سے ہوتی ہے کیونکہ قرآن کی رو سے وطن زبان، رنگ یا نسل کی مشترکہ بنیاد رکھنے والوں کو 'قوم' جب کہ مختلف اعتقاد ونظریات رکھنے والوں کو مختلف 'ملتیں' کہا گیا ہے۔ اس اعتبار سے نظریۂ پاکستان کی بنیاد کو 'دوقومی نظریہ' کی بجائے 'دوملی نظریہ' کہنا زیادہ بہتر ہے (دیکھئے محدث: مئی ۲۰۰۱ء ص ۶۵)

www.KitaboSunnat.com

جس مزاج کی ضرورت ہوتی ہے، اس کو تشکیل دینے میں ناکام رہے ہیں۔ روح کا تو ذکر ہی کیا، ہم تو آئین کے الفاظ پر عملدرآمد نہیں کرا سکے۔'' (ڈان: ۹/ مارچ ۲۰۰۲ء)

ہم محض یہ کہہ کر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے کہ دوقومی نظریہ ایک آفاقی صداقت ہے۔ اس عظیم نظریہ کا تقاضا ہے کہ ہم بھارتی مسلمانوں کے ساتھ عملی طور پر یکجہتی کا اظہار کریں۔ دو ریاستوں کے الگ الگ شہری ہونے کے باوجود پاکستان اور بھارت کے مسلمان ایک ہی ملت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یوں تو پاکستانی مسلمان پوری دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ دینی رشتے میں منسلک ہیں۔ مگر ہندوستان کے مسلمانوں سے ہمارے نسلی، خونی اور لسانی رشتے بھی بہت گہرے ہیں۔ ہماری تاریخ، ثقافت اور علاقائی اسلاف ایک ہیں، اب بھی لاکھوں پاکستانی ایسے ہیں جن کے قریبی عزیز و اقارب انڈیا میں رہتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے عظیم تہذیبی و علمی مراکز اس وقت تک انڈیا میں ہیں۔ دہلی کی سرخ پتھروں والی جامع مسجد ہو یا لاہور کی شاہی مسجد، دونوں ایک ہی روایت کے دو نام ہیں۔ علی گڑھ، آگرہ، فیض آباد، لکھنؤ، الٰہ آباد، دہلی، رام پور، بھوپال، حیدرآباد دکن، میسور اور احمد آباد کا نام سنتے ہی مسلمانوں کی شاندار تاریخی فتوحات اور تہذیبی کارناموں کے روشن چراغ ذہن میں جگمگانا شروع کر دیتے ہیں۔ تحریکِ پاکستان کے دوران سب سے زیادہ کردار جن علاقوں کے مسلمانوں نے ادا کیا وہ اس وقت بھارت میں ہیں۔ اگر ہم آج ہندوؤں کی غلامی سے آزاد ہو کر ایک آزاد ریاست میں ہر طرح کی نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہیں، تو اس کا سب سے زیادہ کریڈٹ ان مسلمانوں کو جاتا ہے جن کی قربانیوں کا حقیقی ثمر ہم کھا رہے ہیں۔ قومی سطح پر اس سے بڑھ کر احسان فراموشی اور اجتماعی بے حمیتی کوئی اور نہ ہوگی کہ ہم بھارت کے مسلمانوں کو فراموش کر دیں!!

موجودہ پاکستان اور بنگلہ دیش جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں، ان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان مسلمان بھائیوں کو یونہی تنہا نہ چھوڑ دیں جو بھارت میں ہندو اکثریت کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ قیامِ پاکستان کا بنیادی مقصد پورے برصغیر کے مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرنا تھا۔ پاکستان کے قیام کا مقصد اُدھورا رہے گا، اگر ہم مسلمانوں کے مفادات کو پاکستان کی علاقائی حدود تک محدود کر دیں۔

قائداعظم جب تک زندہ رہے، وہ ہمیشہ بھارت میں بسنے والے مسلمانوں کے تحفظ کے متعلق فکرمند رہے اور ان کی حمایت میں بھرپور آواز اٹھاتے رہے۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان کا وہ مکا اب تک مشہور ہے جو انہوں نے لاہور میں اس وقت لہرایا تھا جب بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ انہوں نے نہایت سخت الفاظ میں جواہر لال نہرو کو دھمکی دی تھی کہ وہ مسلمانوں کا قتل عام بند کرائیں۔ نوابزادہ لیاقت علی خان کی اسی قومی حمیت کے نتیجے میں دونوں ملکوں کے درمیان

www.KitaboSunnat.com

اقلیتوں کے تحفظ کے لئے لیاقت نہرو معاہدہ وجود میں آیا۔ احمد آباد کے مسلم کش فسادات کے خلاف ہماری طرف سے محض زبانی احتجاج کافی نہیں ہے۔ حکومتِ پاکستان کو یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں کھڑا کرنا چاہئے۔ عالمی ضمیر کو اس مسئلہ پر جھنجھوڑنا چاہئے اور عالم اسلام میں بھارت کے مسلمانوں کے تحفظ کے لئے رائے عامہ کو متحرک کرنا چاہئے۔ اس ضمن میں اسلامی ممالک کی تنظیم کا پلیٹ فارم بھی استعمال کرنا چاہئے۔ مسلمان ممالک پر زور دینا چاہئے کہ وہ بھارت کی طرف سے عدمِ تعاون کی صورت میں اس کا تجارتی بائیکاٹ کردیں۔ حکومتِ پاکستان کو بھارت کو یہ بتلا دینا چاہئے کہ ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام بھارت کا اندرونی معاملہ نہیں ہے۔ لیاقت نہرو معاہدے کی رو سے بھارت مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ کا پابند ہے اور پاکستان اس معاملے پر بھرپور اور عملی احتجاج کا حق رکھتا ہے۔

بھارت میں جنونی ہندو اکثریت تو بہیمانہ قتل و غارت کے ذریعے پوری دنیا کو یہ پیغام دے رہی ہے کہ ہندو اور مسلمان کبھی ایک قوم نہیں ہوسکتے۔ مگر ہمارے ہاں کے نام نہاد دانشور سرے سے دوقومی نظریہ کے وجود ہی سے انکار پر تلے ہوئے ہیں اور آج کل ایک قومی نظریے کی بات نہایت شدومد سے کی جارہی ہے۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ ہندو جب دوقومی نظریہ کی بات کرتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ چونکہ بھارت میں ہندو اکثریت میں ہیں لہٰذا وہاں ہندو راج ہی ہونا چاہئے۔ بھارت کی انتہا پسند ہندو تنظیمیں برملا یہ نعرے لگاتی ہیں کہ غیر ہندوؤں کو بھارت دھرتی سے نکال دینا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں قومی یکجہتی کو برقرار رکھنے کے لئے انہیں سیکولرزم کا سہارا لینا پڑا۔ ان کے خیال میں وہاں قومی اتحاد محض ہندو مذہب کے نظریے پر قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ لیکن مسلمان جب دوقومی نظریہ کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد غیر مسلموں سے عدمِ رواداری ہرگز نہیں ہوتا، اسلامی تاریخ اقلیتوں سے حسن سلوک کی شاندار مثالیں پیش کرتی ہے، دنیا کے کسی بھی مذہب نے اقلیتوں کو وہ حقوق نہیں دیئے، اسلام نے جس قدر دیئے ہیں، مگر ہمارے ہاں بھی اسلام کی بجائے 'سیکولرزم' کی بات کی جاتی ہے !!

پاکستان میں ملت بیزار سیاستدانوں نے ملی حمیت کو بیدار کرنے کی بجائے اور پاکستان کو اس کی اصل منزل سے ہمکنار کرنے کی کوششوں کی بجائے قوم کو لہو ولعب اور خرافات میں مشغول رکھنے کی پالیسی کو ترجیح دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہزاروں مسلمانوں کی دردناک اموات کی خبریں پڑھ کر بھی ہمارے دلوں میں غم کی لہر نہیں دوڑتی۔ ثقافت کے نام پر کثافت پھیلانے والے نام نہاد فنکاروں اور سیکولر ادیبوں نے ہمیشہ بھارت اور پاکستان کے درمیان سرحدی لائن مٹا دینے کی بات ہے۔ جب بھی کوئی ثقافتی طائفہ یا گروہِ اُدبا بھارت کی یاترا کو جاتا ہے، وہاں وہ ہمیشہ دوقومی نظریے کے خلاف بات کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ محض اسلامی بنیاد پرست ہی ہیں جن کی وجہ سے بھارت اور پاکستان کے تعلقات معمول پر

www.KitaboSunnat.com

نہیں آرہے۔ وہ بھارتی ہندوؤں کی انتہا پسندی کو یکسر نظر انداز کردیتے ہیں۔

اکیسویں صدی کے آغاز ہی میں عالم اسلام میں ایک دوسرے کے معاملات سے لاتعلقی، اُمت کے مسائل سے خودغرضانہ چشم پوشی، اور مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑنے کے باوجود بے حسی اور بے حمیتی کی ایک کربناک عمومی فضا جو نظر آتی ہے، چند برس پہلے تک یہ صورت قطعاً نہ تھی۔ گذشتہ چند ماہ میں افغانستان میں امریکہ نے انسانیت سوز مظالم اور کارپٹ بمباری کے ذریعے ۵۰ ہزار سے زیادہ بے گناہ مسلمانوں کو شہید کردیا، مگر عالم اسلام نے سرکاری سطح پر اس بہیمانہ درندگی پر اتنا بھی احتجاج نہ کیا جتنا کہ یورپ اور امریکہ نے ایک یہودی صحافی ڈینیل پرل کے قتل پر کیا ہے۔ اب دوسرا المناک سانحہ بھارت کے صوبہ گجرات میں وسیع پیمانے پر مسلم کش فسادات کی صورت میں سامنے آیا ہے، جس میں ایک ہزار سے زیادہ بے گناہ مسلمانوں کو اذیت ناک انداز میں زندہ جلا دیا گیا، ہزاروں بے گھر ہوکر فاقہ کشی پر مجبور ہوگئے ہیں، ان کی کروڑوں کی جائیداد کو نذرِ آتش کرکے ان کی معاشی حالت کا جنازہ نکال دیا گیا ہے مگر عالم اسلام کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ صدرِ پاکستان نے اپنے بیان کے ذریعے عالم اسلام اور عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کی اپنے تئیں معمولی سی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اپنے بیان میں مطالبہ کیا کہ بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام بند کیا جائے۔ انہوں نے بھارتی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو انتہا پسند ہندوؤں کی دہشت گردی سے بچانے کے لئے مؤثر اقدامات کرے، فسادات کے ذمہ دار گرفتار کرکے سزا دی جائے۔'' (روزنامہ انصاف: ۳/ مارچ) مگر بھارتی حکومت نے پرویز مشرف کے اس جائز مطالبے کو نہایت حقارت سے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اس طرح کا بیان بھارت کے اندرونی معاملات میں ناروا مداخلت ہے۔ بلکہ بھارت کے وزیرخارجہ ایڈوانی نے تو حسبِ معمول ان واقعات کے پیچھے آئی ایس آئی کا ہاتھ قرار دیا!!

صدرِ پاکستان نے کہا: ''ایسے واقعات پر عالمی برادری خاموش نہیں رہ سکتی۔'' وہ عالمی ضمیر کو جگانا چاہتے تھے، مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ عالمی برادری تو کیا جاگتی، عالم اسلام سویا ہوا ہے۔ ۴/ مارچ کو پھر حکومتِ پاکستان کے ترجمان کا بیان شائع ہوا: ''بھارتی سیکولرازم کا پول کھل گیا۔ دنیا فسادات کا نوٹس لے۔'' بھارتی سیکولرزم کا پول تو پہلے ہی کھلا ہوا تھا، مسلم کش فسادات سینکڑوں نہیں، ہزاروں مرتبہ ہوچکے ہیں۔ البتہ ترجمان نے جو بات نہیں کی، وہ یہ ہے کہ اقوامِ متحدہ، امریکہ اور یورپی ممالک کے انسانی حقوق کے احترام اور دہشت گردی ختم کرنے کے دعوؤں کا پول بھی کھل گیا ہے، ہماری حکومت کے ترجمان نجانے دنیا کے بارے میں اس قدر خوش اعتقادی کا شکار کیوں ہیں۔ انہیں اب تک معلوم ہونا چاہئے تھا کہ دنیا بھارت میں صرف انہی فسادات کا نوٹس لیتی ہے جس میں امریکہ اور یورپ کے ہم مذہب مسیحیوں

www.KitaboSunnat.com

کو قتل کیا جاتا ہے۔ مسلمان انسان ہوتے تو دنیا ان کے انسانی حقوق کا تحفظ بھی کرتی۔ عالمی ضمیر کے آئینے میں صرف ان انسانی حقوق کی تصویریں منعکس ہوتی ہیں جو عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر غیر مسلموں کے خون کی لکیروں سے بنتی ہیں، مسلمانوں کا خون تو اس قدر سیاہی مائل ہے کہ اس کے پڑتے ہی عالمی ضمیر کا آئینہ سنگ خارا کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

صدرِ جنرل پرویز مشرف کے بیانات سے ہندو جنونیوں کی درندگی میں کمی آئی ہے، نہ بھارتی حکومت نے اس کا اثر قبول کیا ہے، مگر یہ بات خوش آئند ہے کہ جنابِ صدر کو جلد ہی احساس ہو گیا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ ۱۲ر جنوری کی معروف تقریر میں انہوں نے فرمایا تھا کہ دنیا میں جہاں کوئی واقعہ ہوتا ہے، پاکستانی مسلمان خوامخواہ اس میں کود پڑتے ہیں۔ مگر اب وہ خود ہی جب بھارت سے فسادات بند کرانے اور دنیا کو ان فسادات کا نوٹس لینے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو انہوں نے بتا دیا ہے کہ بعض واقعات ایسے خونچکاں ہوتے ہیں کہ مسلمان اپنے ہم مذہب بھائیوں کا قتل عام دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ کہیں نہ کہیں تو کودنا پڑتا ہی ہے، وہ قندھار اور کابل کی زمین پر خونِ مسلم کی بہتی ندیاں ہوں یا احمد آباد کی گلیوں میں مسلمانوں کے خون کا دریا ہو۔

۱۹۶۹ء میں احمد آباد میں ہونے والے بدترین مسلم کش فسادات میں معروف دانشور صحافی کے ایل گابا کے بیان کے مطابق چھ ہزار مسلمان مارے گئے تھے اور ۳۰ ہزار مسلمان گھروں سے اُجاڑ دیئے گئے تھے، ہزاروں کی تعداد میں لوگ کیمپوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے کہ کوئی اور جائے پناہ نہ تھی۔

آج سے ۳۴ برس پہلے مسلمانوں میں 'پان اسلام ازم' کی اچھی خاصی رمق باقی تھی۔ ابھی اُمت مسلمہ کی کوکھ مکمل طور پر بانجھ نہیں ہوئی تھی، ابھی شاہ فیصل شہید جیسے اس کے غیور و جسور بیٹے زندہ تھے۔ احمد آباد کے فسادات کے چند ماہ بعد ۱۹۷۰ء میں مراکش کے شہر 'رباط' میں اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی تو سیکولرزم کا فریب انگیز دعویٰ کرنے والے بھارت نے مطالبہ کیا کہ اس کانفرنس میں بھارتی وفد کو بھی شریک ہونے کی دعوت دی جائے کیونکہ بھارت میں مسلمانوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ سوائے انڈونیشیا اور پاکستان کے دوسرے کسی مسلمان ملک میں اس قدر مسلمان آباد نہیں ہیں۔ انڈیا کی یہ درخواست منظوری کے بعد آٹھ رکنی بھارتی وفد جس میں صرف تین مسلمان اراکین تھے، رباط کانفرنس میں شریک ہوا۔ مسلمان زخم خوردہ تھے مگر انہوں نے اس وفد کو خوش آمدید کہا، مگر اس دوران ہندوستان نے یہ حرکت کی کہ اعلان کر دیا کہ رباط کانفرنس میں احمد آباد کے فسادات میں ہلاک ہونے والوں کے متعلق اس وفد سے کسی قسم کا سوال جواب بھارت کے اندرونی معاملات میں مداخلت سمجھا جائے گا۔ یہ اعلان سنتے ہی اس بھارتی وفد پر رباط کانفرنس کے دروازے بند کر دیئے گئے اور بھارت کے سرکاری وفد کو بے حد ذلت

www.KitaboSunnat.com

آمیز انداز میں کانفرنس کے دوران ہی میں واپس لوٹنا پڑا۔ اس کانفرنس میں عالم اسلام کے راہنماؤں نے بھارتی حکومت کی شدید مذمت کی اور اسے مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ میں ناکام رہنے کا الزام دیا۔ کانفرنس میں احتجاج کا ایسا اثر ہوا کہ مراکش اور اُردن نے اپنے ممالک سے بھارتی سفیروں کو واپس بھجوا دیا۔ ان فسادات کے تھوڑے عرصے بعد پاکستان سے سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان بھی انڈیا پہنچے۔ انہوں نے مہاتما گاندھی کے 'اتباع' میں احمد آباد کے فسادات میں ہلاک ہونے والوں کے غم میں تین دن تک مرن بھرت کیا۔ مسلمانوں کی طرف سے احتجاج کے ان واقعات نے بھارتی ہندو قیادت کو کافی حد تک پریشان کیا۔ فساد زدہ علاقوں میں افواج کی تعداد بڑھا دی گئی۔ خطرناک علاقوں میں رات کو کرفیو کا دورانیہ بڑھا دیا گیا۔'' ('مجہول آوازیں' از کے ایل گابا)

مگر آج کیا صورتحال ہے۔ گذشتہ دس روز کے اخبارات اٹھا دیکھئے، ان کے صفحات احمد آباد کے مسلمانوں کی بے گوروکفن لاشوں اور زخمیوں کی تصویروں سے بھرے پڑے ہیں۔ اگر کوئی خبر نہیں نظر آئی تو صرف یہ ہے کہ عالم اسلام کے حکمرانوں کی طرف سے بھارت کی خدمت میں بیانات کا تذکرہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔ پاکستان کے علاوہ بنگلہ دیش واحد ملک ہے جس کی خاتون وزیراعظم نے مسلم کش فسادات پر سخت رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔

فسادات کی ذمہ دار، بھارتی حکومت

اب تک آزاد ذرائع ابلاغ نے جو کچھ رپورٹ کیا ہے، اس کی روشنی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ بھارتی حکومت صوبہ گجرات میں مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت میں مکمل طور پر ناکام رہی ہے۔ بھارتی صوبہ گجرات میں خالصتاً بی جے پی کی حکومت ہے۔ وہاں کی صوبائی حکومت انتہا پسند ہندوؤں کی مکمل پشت پناہی کرتی رہی ہے۔ پولیس کی موجودگی میں مسلمانوں کو زندہ جلایا جاتا رہا ہے۔ فوج کو بروقت نہیں بلایا گیا، حتیٰ کہ ایسی رپورٹ بھی شائع ہوئی ہیں کہ کرفیو کے دوران بھی بلوائیوں نے مسلمانوں کے گھروں کو نذرِ آتش کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ احمد آباد میں فسادات کے پہلے ۲۷ گھنٹوں میں ۳۰۰ سے زیادہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ ٹائمز آف انڈیا، بھارتی انسانی حقوق کمیشن، حیدرآباد دکن سے شائع ہونے والے روزنامہ 'سیاست'، وائس آف جرمنی، بی بی سی حتیٰ کہ امریکہ نے بھی قرار دیا کہ بھارتی حکومت اقلیتوں کے جان، مال کے تحفظ میں ناکام رہی ہے۔ احمد آباد کے مسلم کش فسادات میں زیادہ تر خون ریزی ویشوا ہندو پریشد کے تربیت یافتہ غنڈوں نے کی اور یہ انتہا پسند ہندو تنظیم بی جے پی کی سب سے بڑی حلیف ہے۔ واجپائی حکومت کی اصل قوت ویشوا ہندو پریشد اور راشٹریہ سیوک

www.KitaboSunnat.com

سنگھ جیسی انتہا پسند ہندو تنظیمیں ہیں۔ بھارتی حکومت پاکستان سے جہادی تنظیموں سے وابستہ ۲۰ / افراد کو بار بار طلب کر رہی ہے۔ پاکستان کو چاہئے کہ وہ انتہا پسند ہندو تنظیموں کے قتل و غارت میں ملوث لیڈروں کی حوالگی کا مطالبہ کرے۔ امریکہ پاکستان کی چند تنظیموں پر پابندی لگوانے میں تو بہت دلچسپی رکھتا ہے، عالمی پیمانے پر متعدد اسلامی تنظیموں کو دہشت گرد قرار دیتا اور ان کے اکاؤنٹس منجمد کرنے میں بہت تیزی دکھاتا ہے لیکن بھارت کی ایسی فرقہ وارانہ تنظیمیں جو انسانیت کی سنگین مجرم ہیں، اور بھارتی حکومت جو ان کی سرپرستی کر رہی ہے، ایسی حکومت کا نہ انسانی حقوق کا ریکارڈ خراب ہوتا ہے اور نہ ان تنظیموں پر پابندی کا کوئی مطالبہ سامنے آتا ہے۔ یہ امریکہ کا وہی دوغلا معیار ہے جس کے بہت سے مظاہر آج دنیا بھر میں جابجا بکھرے پڑے ہیں۔ عالم اسلام میں اگر کوئی دم خم ہے تو اسے بھارتی حکومت کے ساتھ روابط کو ایسی انتہا پسند تنظیموں پر پابندی کے ساتھ مشروط کرنا چاہئے۔

بھارتی حکومت کی خونِ مسلم سے بے پروائی کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس نے پاکستان کی سرحد پر تو لاکھوں کی تعداد میں افواج بٹھا رکھی ہیں، مگر فساد زدہ علاقوں میں فوج کو تعینات نہیں کیا جاتا۔ حکومتِ پاکستان کو اقوامِ متحدہ کے ذریعے بھارت میں ہونے والے ان المناک فسادات کی تحقیق کا مطالبہ کرنا چاہئے۔ خدانخواستہ اگر پاکستان میں ہندو اقلیت کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی ہوتی تو بھارت نے اب تک عالمی سطح پر پاکستان کے خلاف طوفان کھڑا کر دینا تھا۔

بھارتی مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل

آبادی اور تعداد کو پیش نظر رکھا جائے تو پوری دنیا کے صرف سات ممالک ایسے ہیں، جن کی آبادی بھارت میں بسنے والے مسلمانوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔ شاندار ماضی اور ذلت آمیز حال کو دیکھا جائے تو شاید ہی کسی ملک میں اقلیت ایسی ہو جس کی سیاہ بختی بھارتی مسلمانوں سے قابل موازنہ ٹھہرے۔ جہالت، غربت اور قومی انتشار ایسے عوامل ہیں جن کی وجہ سے ان کے اندر آبرومندانہ حیاتِ اجتماعی کا تصور ایک خواب کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ وہ ایک وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں، مگر ان کے مصائب کی حقیقی وجہ وسعتِ علاقہ نہیں، عدمِ اتحاد کی فضا ہے۔ مسلمانوں کے ایسے بڑے مگر بدنصیب گروہ کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کرنا آسان امر نہیں ہے۔ ان کے سامنے ایک بہت بڑا چیلنج ہے کہ وہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھتے ہوئے بھارت کے قومی دھارے میں کس طرح شریک ہوں۔ متعصب جنونی ہندو جن کا نصب العین ہی 'ہندوتوا' کا حصول ہے، وہ نہ تو مسلمانوں کو قومی دھارے میں شریک کرنا چاہتے ہیں اور اور نہ ہی قومی دھارے سے انہیں باہر رکھ کر ان کے اسلامی تشخص کے تسلسل کو برداشت کرنے کو

www.KitaboSunnat.com

تیار ہیں۔ کانگریس اور چند دیگر جماعتیں جو 'سیکولر ازم' کی علمبردار ہیں اور رنگ، نسل اور مذہب کے امتیازات پر یقین نہ رکھنے کا دعویٰ کرتی ہیں، ان کا طرزِ عمل بھی یہ رہا ہے کہ جب بھی مسلمان کبھی ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے تو ان کی اس آواز کو فرقہ وارانہ شرانگیزی کا نام دے کر دبا دیا جاتا۔ جب بھی انہوں نے کسی سیاسی جماعت یا کمیٹی کے قیام کا منصوبہ بنایا، کانگریس نے بھی اسے 'نئے پاکستان' کے حصول کا نام دے کر اس کو آغاز ہی میں ابھرنے نہ دیا۔

بھارت میں ہندو اپنے مذہبی نظریات کے مطابق سیاسی جماعتیں بنانے میں آزاد رہے ہیں۔ سیکولر ازم کے دعوؤں کے باوجود کانگریس نے کبھی راشٹریہ سیوک سنگھ، ویشوا ہندو پریشد، شیو سینا، جینا سنگھ اور پری وار جیسی جنونی مذہبی سیاسی جماعتوں کے سرگرمیوں پر پابندی نہ لگائی مگر تقسیم کے بعد بچی کھچی مسلم لیگ کو کسی بھی جگہ کام نہ کرنے دیا۔ قیامِ پاکستان کو بھارت ماتا کی تقسیم قرار دے کر مسلم لیگ کے وجود کو بھارت میں نیست و نابود کر دیا گیا۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ اور دیگر اکابرین ملت کی کاوشوں سے کافی دیر تک 'مجلس مشاورت' کام کرتی رہی جس کا بنیادی مقصد قومی آہنگی قائم کرنا اور مسلمانوں کے مطالبات کو حکومت کے نوٹس میں لانا تھا، ۱۹۷۸ء میں 'مسلم مجلس' کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ یہ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی تنظیموں کا ایک متحدہ پلیٹ فارم تھا، مگر ہندو اکثریت کی ریشہ دوانیوں سے اسے بھی کام کرنے کا موقع نہ ملا۔ موجودہ صورتحال میں بھارتی مسلمانوں کے لئے ہمارے خیال میں درج ذیل لائحہ عمل پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے:

۱۔ اوّلین بات یہ ہے کہ مسلمان ایک سیاسی جماعت کا قیام عمل میں لائیں جس کی سرگرمیوں کا دائرہ کسی ایک خاص صوبہ کی بجائے پورے بھارت پر محیط ہو، بھارتیہ جنتا پارٹی اگر سیکولر بھارت میں ہندوؤں کے مفادات کے تحفظ کے نام پر اقتدار میں آسکتی ہے اور اس کی سرگرمیوں سے بھارت کا سیکولر تشخص مجروح نہیں ہوتا تو پھر مسلمانوں کو اپنے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لئے ایک جماعت کے قیام پر فرقہ وارانہ خیالات کے پرچار کا طعنہ نہیں دیا جاسکتا۔ ماضی میں کانگریس اور حال میں بی جے پی کا طرزِ عمل مسلمانوں کے سامنے ہے۔ وہ کسی بھی ہندو اکثریت پر مبنی سیاسی جماعت پر اعتماد کریں گے تو دھوکہ ہی کھائیں گے۔

۲۔ بھارتی مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کا مرکزی نقطہ ہندو اکثریت سے تصادم وتحارب سے اجتناب کرتے ہوئے مسلمانوں میں اپنی قومی ذمہ داریوں کے متعلق آگاہی اور شعور پیدا کرنا ہونا چاہئے.

۳۔ بھارتی مسلمانوں کو مخلوط طریق انتخابات کی بجائے جداگانہ طریق انتخابات کا مطالبہ کرنا چاہئے۔ ہندو اکثریت کی سال بہ سال بڑھتی تنگ نظری اور تشدد پر مبنی پالیسی کی وجہ سے مخلوط انتخابات

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کے لئے سیاسی موت کا باعث بن جائیں گے۔ اس وقت بھارت میں مسلمانوں کی تعداد ۱۴ فیصد ہے، مگر پارلیمنٹ میں ان کو اس تناسب سے نمائندگی حاصل نہیں ہے۔ جداگانہ انتخابات کے نتیجہ میں وہ بھارتی لوک سبھا میں ایک مضبوط سیاسی قوت کے طور پر سامنے آئیں گے۔ چونکہ بھارت کے مخصوص حالات کے پیش نظر کسی ایک سیاسی جماعت کا قومی سطح پر بھاری اکثریت سے جیت جانے کا امکان کم ہی رہے گا، ہمیشہ مخلوط حکومتیں ہی بنتی رہیں گی۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے اپنی سیاسی قوت کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے بھرپور طریقے سے استعمال میں لانے کے مواقع پیدا ہوں گے۔

موجودہ مخلوط انتخابات میں یہ ہوتا ہے کہ الیکشن کے دوران تو کانگریس اور دیگر پارٹیاں مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن تعاون کا یقین دلاتی ہیں، مگر پارلیمنٹ میں پہنچنے کے بعد وہ یکسر آنکھیں پھیر لیتی ہیں۔ چونکہ پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی مناسب نمائندگی نہیں ہوتی، اسی لئے وہ اپنا دباؤ ڈالنے کے لئے پانچ سال کے بعد ہونے والے انتخابات کا انتظار کرتے ہیں۔ جداگانہ انتخابات کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مسلمان مرکز اور صوبوں میں کابینہ میں بھی مناسب حصہ حاصل کرسکیں گے۔ بعض اوقات سودے بازی کے نتیجہ میں پارلیمنٹ میں ارکان کے تناسب سے بھی زیادہ کابینہ میں نمائندگی حاصل کرلی جاتی ہے۔

۴۔ بھارتی وزیراعظم کشمیر کے متعلق بارہا یہ بیان دے چکے ہیں کہ ہم ایک دفعہ پھر مذہب کی بنیاد پر ملک کو تقسیم نہیں ہونے دیں گے، مگر وہ مذہب کی بنیاد پر خون ریز فسادات کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ بھارتی مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے کان میں بلیغانہ انداز میں یہ بات ڈال دینی چاہئے کہ بھارت کی دھرتی پر ان کا بھی اتنا ہی حق ہے، جتنا ہندوؤں کا۔ اگر ان پر یونہی ظلم وستم روا رکھا گیا تو وہ علیحدگی کی تحریک پر بھی غور کرسکتے ہیں۔

۵۔ موجودہ دور میں قومی جدوجہد کو آگے بڑھانے کے لئے ذرائع ابلاغ فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔ یہودیوں کی سیاسی کامیابیوں کے پس پشت میڈیا پر ان کے کنٹرول نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ بھارتی مسلمانوں کو بھی بھارت میں اخبارات ورسائل، انٹرنیٹ، ٹیلی ویژن اور دیگر ذرائع ابلاغ کے استعمال کے لئے مؤثر منصوبہ بندی کرنی چاہئے۔ اپنے موقف کو بین الاقوامی اور قومی سطح پر پیش کرنے اور مخالف گروہوں کے منفی پراپیگنڈہ کا مؤثر جواب دینے کے لئے انہیں دنیا کی مختلف زبانوں میں لٹریچر اور پروگرام پیش کرنے چاہئیں۔

www.KitaboSunnat.com

۶۔ بھارتی مسلمانوں کو دنیا کے مختلف ممالک میں اقلیتوں کے حقوق کی جدوجہد کے ساتھ اپنے آپ کو شریک کرنا چاہئے۔ انہیں مطالعہ کرنا چاہئے کہ زندہ قوموں میں اقلیتیں اپنے حقوق کی پرامن جدوجہد کے لئے کیا کیا حکمت ِعملی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ بھارت کے بعد دنیا میں، کینیڈا میں فرانسیسی بولنے والی اقلیت شاید سب سے بڑی ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور دیگر ممالک کی اقلیتوں کے ساتھ انہیں قریبی رابطہ استوار کرنا چاہئے۔

۷۔ اقوامِ متحدہ اور مسلم ممالک کے ساتھ مسلمانوں کو خاص طور پر رابطہ استوار کرنا چاہئے۔ یہ وہ ادارے ہیں جہاں سے انہیں سب سے زیادہ اخلاقی اور عملی امداد کے ملنے کے امکانات ہیں۔

۸۔ مسلمانوں کو بھارت میں اپنی نوجوان نسل کے اندر تعمیری سرگرمیوں کا ذوق پیدا کرنا چاہئے۔ تعلیمی میدان میں انہیں بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے۔ نوجوان نسل کو ٹکراؤ، جلاؤ، گھیراؤ جیسے منفی جذبات سے نکال کر تعمیری راستوں پر چلنے کے لئے تیار کرنا چاہئے۔ ہندوؤں کے خلاف یہ ٹکراؤ ان کے قومی مفاد میں نہیں ہوگا، مگر اس کے برعکس انہیں ایسے اسلامی سکالروں کی پالیسی کو بھی مسترد کردینا چاہئے جو صرف مسلمانوں کو امن کی تبلیغ کر کے مکمل ناکارہ اور بے غیرت بنا دینا چاہتے ہیں۔

۹۔ اسلام ہی مسلمانوں کا محفوظ ترین قلعہ ہے۔ بھارتی مسلمانوں کو اس قلعے میں پناہ لینے کی پاکستانی مسلمانوں سے زیادہ ضرورت ہے۔ بھارتی ہندو کلچر کی یلغار سے پاکستان کی نوجوان نسل محفوظ نہیں ہے، تو بھارتی مسلمان کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ اسلامی ثقافت سے محبت کو فروغ دینے اور اسلامی تعلیمات کو نوجوان نسل تک پہنچانا بے حد ضروری ہے۔ اس کام کے لئے دینی مدارس اور تعلیمی اداروں کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ جہاں کہیں مسلم کش فسادات شروع ہوجائیں، قریبی علاقوں کے مسلمانوں کو خاموش تماشائی کی بجائے اپنے مسلمانوں بھائیوں کے تحفظ اور دفاع کے لئے سرتوڑ کوشش کرنی چاہئے۔ غیر محفوظ علاقوں میں اجتماعی پناہ گاہیں بنائی جائیں، بوقتِ ضرورت فوری طور پر خواتین، بچوں اور بوڑھوں کو منتقل کیا جاسکے۔

۱۱۔ مسلمانوں کی مقامی قیادت کو ہندو قیادت سے قریبی رابطہ رکھنا چاہئے، جب بھی کھچاؤ کی صورتحال پیدا ہو فوری مذاکرات کے ذریعے اس کھچاؤ میں کمی لانی چاہئے۔ (محمد عطاء اللہ صدیقی)

جن حضرات کو زرِسالانہ ختم ہونے کے خطوط ارسال کئے گئے ہیں، ازراہِ کرم اولین فرصت میں اپنا سالانہ زرِتعاون ادا کردیں بصورتِ دیگر محدث کی ترسیل منقطع کردی جائے گی۔ دیگر احباب بھی اپنا زرِسالانہ ختم ہونے پر فوری تجدید کرالیں۔ **ادارہ**

www.KitaboSunnat.com

عالم اسلام

حافظ صلاح الدین یوسف

تہذیبی تصادم، المیۂ افغانستان اور عالم اسلام کا کردار

ہم ذیل میں دو حوالوں سے اپنے موضوع پر گفتگو کریں گے

(۱) مسلمانوں کا عالمی کردار کیا ہے؟ (۲) اور کیا ہونا چاہئے؟

پہلے حصے یا سوال کا جواب بالکل واضح ہے کہ اس وقت مسلمانانِ عالم کا کوئی عالمی کردار نہیں ہے۔ یعنی کہنے کو تو مسلمانوں کی ۶۰ مملکتیں ہیں اور ان میں اور دیگر ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کی تعداد بھی ایک اَرب سے متجاوز ہے۔ علاوہ ازیں مسلمان افرادی قوت اور متعدد قدرتی وسائل سے بھی مالا مال ہیں، ان کا جغرافیائی محل وقوع بھی نہایت اہمیت کا حامل اور تقریباً باہم پیوست ہے جو ایک نہایت عظیم اکائی اور زبردست قوت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود مسلمان ممالک کی حیثیت صفروں کے مجموعہ سے زیادہ نہیں۔ وہ ایک تودۂ خاک ہیں جو کسی طوفان کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتا، وہ ایک چراغِ رہ گزر ہیں جو بادِ تند تو کیا بادِ نسیم کا جھونکا بھی برداشت نہیں کرسکتا، وہ گردابِ بلا میں پھنسی ایک ڈولتی کشتی ہیں جس سے طوفانِ بلاخیز کی خوفناک موجیں اٹھکیلیاں کررہی ہیں۔ وہ ایک ایسا گنگا ہیں جو سیلابی ریلے کے ساتھ بہنے پر مجبور ہے، وہ انسانوں کا ایک ایسا ریوڑ ہیں جس کی کوئی سمت ہے، نہ اس کا کوئی رکھوالا۔ وہ گم گشتہ راہی ہیں جسے اپنی منزل کا پتہ ہے، نہ اس کا کوئی شعور ہی انہیں حاصل ہے۔ وہ بیوہ کا آنچل ہیں جسے کوئی بھی نوچ کر پھینک سکتا ہے، وہ یتیم کا آنسو ہیں جس کی کوئی اہمیت نہیں، وہ ایک گدائے بے نوا ہیں جس کی کوئی عزت و آبرو نہیں اور وہ ایک شہرِ خموشاں کی مانند ہیں جس میں زندگی کی کوئی حرارت وتوانائی نہیں۔ یا بالفاظِ دگر اِن کے پاس عصا ہے لیکن کوئی کلیمی کردار ادا کرنے والا نہیں۔ دعاے ایمان ہے لیکن ضربِ یداللّٰہی نہیں، حسینؓ سے نسبت پر فخر ہے لیکن رسم شبیریؓ ادا کرنے کی ہمت نہیں، نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے جذباتی تعلق و وابستگی ضرور ہے لیکن اسوۂ رسول اپنانے کے لئے تیار نہیں اور قرآن کریم جیسا نسخہ کیمیا اور نسخہ شفا ان کے پاس موجود ہے لیکن شدتِ مرض سے جاں بلب ہونے کے باوجود اسے استعمال کرنے کے لئے تیار نہیں!!

قارئین کرام! یہ مفروضات نہیں، الفاظ کے طوطا مینا نہیں، پروپیگنڈہ کی شعبدہ گری نہیں، حقائق ہیں گو تلخ ہیں، واقعات ہیں جو ہر شخص کے تجربہ ومشاہدہ کا حصہ ہیں۔ یہ ہمارا وہ کردار ہے جو 'عیاں راچہ بیاں'

www.KitaboSunnat.com

کے مصداق محتاجِ وضاحت نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلامیانِ عالم کا یہ حال ان کے اپنے اخلاق و کردار کا نتیجہ اور ان کے اپنے اعمال کا برگ و بار ہیں ؎

میں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روزِ سیاہ
خود دکھایا ہے میرے گھر کے چراغاں نے مجھے!

ورنہ یہی مسلمان تھے جنہوں نے بدر واُحد کے معرکے سر کئے تھے، قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتوں کو روند ڈالا تھا، ساری دنیا پر اپنی عظمت و رِفعت کے پرچم لہرائے تھے اور اپنے تمدن وتہذیب کا سکہ رواں کیا تھا۔ آج ان کے برعکس ایسا کیوں ہے کہ ان کا خون مانندِ آب، ارزاں ہے؟ انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹا جارہا ہے، ایک مسلمان ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، لیکن سارا عالم ٹک ٹک دیدم نہ کشیدم، کا مصداق بنا رہا۔ بلکہ ہم نے تو اپنے کندھے بھی یہ کہہ کر پیش کردیئے کہ ؎

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر!

ہماری گذشتہ روشن تاریخ کے مقابلے میں، عالم اسلام کا حالیہ کردار، جس میں پاکستان سرفہرست ہے، نہایت حیرت و استعجاب کا باعث ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ جب سندھ میں راجہ داہر کے زیرنگیں علاقے میں بحری قزاقوں نے مسلمانوں پر جبر وظلم کیا تو ایک مسلمان عورت نے ہزاروں میل دور حجاج بن یوسف کو مدد کے لئے پکارا اور یہ پکار اور فریاد جب حجاج کے علم میں آئی تو اسی وقت اس نے لبیک کہا اور اس نے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک لشکرِ جرار روانہ کردیا جس نے آخر سندھ اور ہندی اسلامی فتوحات کا دروازہ کھولا۔ آج دنیا نے دوسرا منظر دیکھا کہ وہ طالبان، جن کو ان کے اسلامی تشخص کی بنا پر پاکستان نے بھی سپورٹ کیا، اور بھی بعض اسلامی ممالک نے ان سے تعاون کیا اور اس تعاون سے انہوں نے افغانستان کے نوے فیصد حصے پر اسلام کا نفاذ کردیا، شرعی حدود جاری کیں، اسلحے اور منشیات، بدامنی اور قتل و غارت گری کی وارداتوں سے ملک کو محفوظ کیا، عورتوں کی بابت اسلامی تعلیمات کی پابندی کی، مخلوط تعلیم، مخلوط ملازمت ختم کی اور ان کے لئے مردوں سے الگ بعض شعبوں میں تعلیم اور ملازمت کا انتظام کیا (جو اسلامی تعلیمات کا اور وقت کا اہم تقاضا تھا)، اور امن وسکون کا ایک نہایت قابل رشک ریکارڈ قائم کرکے وہ تباہ حال افغانستان کی تعمیرِ نو کا کام نہایت اخلاص، بے لوثی اور برق رفتاری سے کررہے تھے کہ امریکہ میں گیارہ ستمبر کو ہونے والی دہشت گردی کی واردات کو بہانہ بنا کر اور بلا ثبوت اسامہ بن لادن کو ذمے دار ٹھہرا کر افغانستان کو اور اس میں قائم اسلامی حکومت کو تہس نہس کردیا۔ حالانکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ امریکہ میں ہونے والی دہشت گردی جس میں سرعت، ماہرانہ چابک دستی اور سازش کی گہرائی اور گیرائی نے دنیا کو حیرت زدہ اور امریکیوں کو مبہوت کردیا، اسامہ یا اس کی تنظیم 'القاعدہ' کے بس کی بات

www.KitaboSunnat.com

نہیں تھی۔ یہ یقیناً ایک ایسے گروہ کی کارروائی ہے جو امریکی ہی ہے اور اسے امریکہ کے خصوصی اداروں تک رسائی بھی حاصل ہے۔لیکن امریکہ طالبان کو صرف اس لئے ختم کرنا چاہتا تھا کہ مفلس وقلاش ہونے کے باوجود انہوں نے امریکہ کی دریوزہ گری کرنی پسند نہیں کی۔ دوسرے، صدیوں سے امن سے محروم علاقے میں اسلام کی حکمرانی کے ذریعے سے انہوں نے عملاً امن قائم کرکے دکھا دیا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ کیا دہشت گردوں کے ہاتھوں بھی کبھی امن قائم ہوا ہے؟ کیا دہشت گردوں کے ذریعے سے بھی لوگوں کی جان و مال اور عزت وآبرو کا تحفظ ہوا ہے؟ کیا دہشت گردوں کے اقدامات سے بھی کبھی تعمیر وطن کا کام ہوا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوجاتا کہ طالبان دہشت گرد تھے نہ دہشت گرد کے پشتیبان۔ وہ تو اسلام کے محافظ تھے، وطن کے معمار تھے، ناقۂ ملت کے حدی خواں تھے، اسلامی اقدار وروایات کے پاسبان تھے، اسلامی تہذیب کے علم بردار اور قرونِ اُولیٰ کے سے اخلاق وکردار کے حامل تھے۔اسی لئے وہ عالم اسلام کی اُمیدوں کا مرکز تھے، الحاد وزندقہ کی تاریکیوں میں قندیل ربانی تھے،ظلمتِ شب میں صبح درخشاں کی نوید جاں فزا تھے، وہ مقاصد فطرت کی نگہبانی کرنے والے بندگانِ صحرائی اور مردانِ کہستانی تھے، وہ عجم کا حسن طبیعت اور عرب کا سوزِ دروں تھے اور اس دور میں جبکہ سوائے سعودی عرب کے کوئی بھی اسلامی ملک اسلامی عقیدہ وایمان کے تقاضوں کو بروئے کار لانے کے لئے تیار نہیں، وہ سرمایۂ ملت کے نگہبان اور علامہ اقبال کے ان اشعار کے مصداق تھے ؎

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم، ان کی ٹھوکر سے صحراء و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مؤمن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

افسوس!

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسمان نے جنہیں خاک چھان کر!

مرورِ ایام کی دبیز تہوں اور لیل ونہار کی ہزاروں گردشوں کے بعد چشم فلک نے ایسے حکمران دیکھے

www.KitaboSunnat.com

تھے جن کا رہن سہن، طور اطوار اور طرزِ بود و باش اسی طرح عام انسانوں کا سا تھا جس کی مثالیں خلفائے راشدین نے قائم کی تھیں۔ شاہانہ کروفر سے دور، امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے پاک اور مسرفانہ و عیاشانہ طرزِ زندگی سے نفور، سارے وسائل عوام کی فلاح و بہبود کی نذر اور شب و روز کا ہر لمحہ ملک و ملت کی خدمت کے لئے وقف۔ انہوں نے فقیری میں بادشاہی کی، غریبی میں خودداری کا مظاہرہ کیا، تباہ حالی کے باوجود گدائی کا کاسہ اور کشکول نہیں اُٹھایا، کسی کے سامنے جھولی نہیں پھیلائی، غیروں کی دریوزہ گری نہیں کی، ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے حسین جالوں میں نہیں پھنسے۔ بلکہ فاقہ کشی، بھوک، قحط اور بے سروسامانی کے باوصف خودانحصاری کی پالیسی اپنائی۔ لیکن افسوس! قلب ونظر کی کجی اور نگہ کی نامسلمانی نے ان کی خوبیوں کو برائی سمجھا، ان کی غیرت وخودداری کو 'نادانشی' باور کرایا، ان کے عزم وایمان کو ایک ناقابل معافی جرم قرار دیا ؎

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!

اور اپنے دین پر استقلال وثابت قدمی کو 'انتہا پسندی' کا عنوان دیا اور ان کی سادگی کو 'فریب خوردگی' سے اور مغرب کی حیا باختہ تہذیب سے نفرت کو 'بے خبری' سے تعبیر کیا اور جب ان طعنوں سے بھی کام نہ بنا اور افغانستان پر ان کی گرفت کمزور ہونے کی بجائے مضبوط تر ہوتی گئی تو بھیڑیے اور میمنے کے مشہور واقعے کی طرح ۱۱ر ستمبر کے واقعے کو بہانہ بنا کر ان پر آتش وآہن کی بارش کردی۔ انہوں نے اگرچہ مردانہ وار مقابلہ کیا اور اپنے خون سے شجاعت ومردانگی کی ایک لازوال تاریخ رقم کردی۔ لیکن وہ چونکہ نہتے تھے جدید اسلحی وسائل سے محروم تھے اور ان تابڑتوڑ فضائی حملوں کا جواب دینے سے قاصر تھے جو دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد نے ان پر کئے۔ اس وحشیانہ بمباری اور خونخوارانہ دہشت گردی نے انہیں پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ یوں ان کی خوبیاں ان کے لئے بلائے جان بن گئیں ؎ اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

اور یہ ظلم، وحشت و بربریت کا یہ مظاہرہ اور درندگی وخون آشامی کی یہ حرکت صرف دشمنوں ہی نے نہیں کی، بلکہ اپنے بھی اس میں شریک ہوگئے۔ بیگانوں ہی نے وار نہیں کئے، دوستوں نے بھی خنجر گھونپنے سے گریز نہیں کیا، اعدائے دین ہی نے انہیں کشتنی قرار نہیں دیا بلکہ نام نہاد مسلم حکمرانوں نے بھی انہیں گردن زدنی ہی سمجھا۔ یہ مظلوم طالبان بہ زبانِ حال کہہ رہے ہیں ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن آنچہ کرد آں آشنا کرد

www.KitaboSunnat.com

اور بقول حفیظ جالندھری ؎

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی!

دوستوں نے اپنوں پر ناوک افگنی کے لئے دلیل یہ پیش کی کہ ہم نے انہیں بہت سمجھایا، صورتِ حال کی نزاکت کا احساس دلایا، وہ سمجھے بغیر اور حالات کی خطرناکی کے اِدراک سے قاصر رہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ بات ایسی نہیں ہے جو باور کرائی جارہی ہے۔ طالبان کا رویہ ہرگز عدمِ مفاہمت کا نہیں تھا، وہ تو ۱۹۹۸ء سے یہ کہہ رہے ہیں کہ امریکہ کے پاس اگر اسامہ کے دہشت گردی کی کسی کارروائی میں ملوث ہونے کا ثبوت ہے تو وہ کسی غیر جانبدار عدالت میں پیش کرے، ہم اس کے لئے اسامہ کو کسی تیسرے ملک کی تحویل میں دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن چونکہ اس کے پاس ایسا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا اور نہ ہے، اس لئے مذاکرات کی یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکی۔ اس کے پاس صرف اتہامات ومفروضات ہیں جنہیں وہ دھونس اور دھاندلی سے ثبوت باور کرانا چاہتا تھا۔ اس کا اصل مقصد تو افغانستان سے ایسی حکومت کا خاتمہ تھا جو دنیا میں اسلامی عدل و انصاف کی مظہر اور اسلامی اخوت و مساوات کا نمونہ تھی۔ بلاشبہ امریکہ کے کچھ اور سیاسی و معاشی مقاصد بھی ہیں لیکن بڑا مقصد احیائے اسلام اور جہاد کے بڑھتے ہوئے اس جذبے کا خاتمہ تھا جو طالبان کے طرزِ حکومت اور ان کی منصفانہ پالیسیوں سے پیدا ہورہا تھا۔ جس کا علاج بقولِ اقبال انہوں نے یہی سوچا ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا — روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو!
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات — اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو!
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج — ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو!
اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو — آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو!
اقبالؔ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز — ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو!

اقبال مرحوم کا یہ کلام ضربِ کلیم میں ہے، اس نظم کا عنوان ہی یہ ہے

''ابلیس کا فرمان، اپنے سیاسی فرزندوں کے نام''

چنانچہ ابلیس کے سارے سیاسی فرزندوں نے مل کر، جس کا نام عالمی اتحاد ہے، افغانستان کے چمن سے اس کے اس غزل سرا کو نکال دیا، جس نے افغانستان کو امن و استحکام عطا کیا تھا جو کسی ملک کی تعمیرِ نو کے لئے نہایت ضروری ہوتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اب افغانستان میں پھر قتل وغارت گری کا بازار گرم اور لوٹ کھسوٹ اور خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہے اور امن واستحکام ایک خواب وخیال بن کر رہ گیا ہے۔ اگر ان عالمی دہشت گردوں کا مقصد افغانستان میں امن واستحکام قائم کرکے اس کی تعمیر نو ہوتا، تو یہ کام طالبان سے مفاہمت کرکے ہی ممکن تھا۔ اب یہ مقصد سالہا سال تک حاصل ہوتا نظر نہیں آتا ؎

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تم نے وہی چراغ چلیں گے تو روشنی ہوگی!

طالبان کے مخالفین ذرا گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر جو کارروائی ہوئی ہے، اس سے دہشت گردی کا خاتمہ ہوا ہے یا دہشت گردی کا دیو اور زیادہ قوی ہوگیا ہے؟ امن واستحکام قائم ہوا ہے یا اس کے برعکس بدامنی اور عدم استحکام میں اضافہ ہوگیا ہے؟ اگر یہ تسلیم ہے اور ایک حقیقت ہے کہ دہشت گردی ختم نہیں بلکہ بڑھی ہے اور آئندہ بھی کم ہونے کا نہیں بلکہ بڑھنے کا امکان ہے تو پھر اس کارروائی کا کیا جواز ہے جو امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے کی ہے؟

المیہ افغانستان پر اسلامیانِ عالم کا اضطراب

دنیائے اسلام کے عام مسلمان بلاشبہ المیہ افغانستان پر خون کے آنسو رو رہے ہیں ؎

آسماں را حق بود گر خوں بہ بار برزمیں
بر زوال تو مجاہد اے امیر المؤمنین

وہ بہت کچھ کرنا چاہتے تھے اور کرنا چاہتے ہیں، لیکن بے بس ہیں اور احتجاج واضطراب کی صدا بلند کرنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتے۔ الحمدللہ! عوام نے اپنا یہ فرض ادا کیا، وہ تڑپتے رہے اور تڑپ رہے ہیں، مضطرب و پریشان رہے اور مضطرب و پریشان ہیں۔ بلاشبہ ان کا یہ اضطراب اور پریشان ہونا، ان کے ایمان کی علامت اور ان کے جذبہ اُخوتِ اسلامی کا مظہر ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

ترى المؤمنين فى تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضوا تداعى له سائر جسده بالسّهر والحمى

(صحیح بخاری: الادب، باب رحمة الناس والبهائم، حدیث ۶۰۱۱)

''تم مؤمنوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے، باہم نرمی اور محبت کرنے میں ایسا دیکھو گے جیسے ایک جسم ہوتا ہے، جسم کا جب کوئی ایک حصہ تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو سارا جسم ہی تکلیف محسوس کرتا اور اس کی وجہ سے بیدار رہتا اور بعض دفعہ بخار تک میں مبتلا ہوجاتا ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں فرمایا: المؤمنين للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا

(صحیح بخاری: المظالم، باب نصر المظلوم، حدیث ۲۴۴۶)

www.KitaboSunnat.com

''مؤمن، مؤمن کے لئے ایسے ہے جیسے ایک دیوار یا عمارت ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کے ساتھ پیوست اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔''

قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفت یہ بیان فرمائی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (التوبہ:۹/۷۱)

''مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفت بیان فرمائی:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْأٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْكَانُوْا اٰبَاؤُهُمْ اَوْاَبْنَائُهُمْ اَوْ اِخْوَانُهُمْ اَوْ عَشِيْرَتُهُمْ اُولٰئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

''تم ایسے لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ایسے لوگوں سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی خاص رحمت سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے، یہی اللہ کا گروہ ہے اور اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔'' (المجادلہ:۵۸/۲۲)

ایک اور مقام پر اللہ نے یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا اور ساتھ ہی یہ فرمایا:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾

''تمہارا دوست تو صرف اللہ، اس کا رسول اور اہل ایمان ہیں (اور یاد رکھو) اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔'' (المائدۃ:۵/۵۶)

ان آیات واحادیث سے واضح ہے کہ

۱) اہل ایمان ایک جسم کی مانند ہیں چاہے وہ کوئی بھی ہوں، کسی بھی نسل سے ان کا تعلق ہو، کوئی بھی زبان وہ بولتے ہوں، مشرق میں رہتے ہوں یا مغرب میں۔ ایمان کے رشتے نے ان کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے مونس وغم خوار ایک دوسرے کے دست و بازو اور دکھ درد میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر — سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!

۲) یہ اللہ کا گروہ ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

۳) ان کے مقابلے میں کافر شیطان کا گروہ ہیں۔

۴) اہل ایمان کی محبت اور دوستی صرف اہل ایمان کے ساتھ ہوتی ہے۔ (جیسے کافر ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں) اور کافروں کے ساتھ ان کی دوستی نہیں ہوتی، چاہے وہ ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی یا ان کے خاندان اور قبیلے کے فرد ہوں۔

۵) فلاح وغلبہ ایسے ہی مؤمنوں کا حق ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِيْ الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾

''کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم ایسا کرو گے (یعنی تم مسلمان بھی ایک دوسرے کے دوست نہیں بنو گے) تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوگا'' (الانفال:۸/۷۳)

اور وہ فتنہ اور فساد یہی ہے کہ اس صورت میں کافروں کے حوصلے بڑھ جائیں گے، مسلمان مغلوب ہوجائیں گے اور اللہ کا کلمہ بلند ہونے کی بجائے پست ہوجائے گا۔

اس اعتبار سے اہل ایمان کی یہ صفت کہ وہ ایک دوسرے کے دوست اور ایک دوسرے کے معاون اور انصار ہیں، مسلمانوں کی ایک پالیسی اور مقصدِ زندگی ہے اور ہونا چاہئے، اس لئے کہ اسی پالیسی میں اللہ کے دین کی بلندی کا راز مضمر ہے۔

مسلم دنیا پر مسلط حکمرانوں کا کردار

عوام کی حد تک تو اہل ایمان نے اس پالیسی کا بلاشبہ اظہار کیا، لیکن مسلم حکمرانوں نے اس کے برعکس پالیسی اختیار کرکے ایک جرمِ عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ ان میں سے کچھ نے تو امریکہ کو سب کچھ پیش کردیا۔ ان کو معلومات فراہم کیں (جن کی اس دور میں بہت زیادہ اہمیت ہے) اپنی فضائی حدود کے استعمال کی اجازت دی۔ فوجی نقل وحرکت اور دیگر جنگی ضروریات و مقاصد کے لئے اپنے اڈّے انہیں دے دیے اور بھی انہوں نے جس چیز کا مطالبہ کیا، انہوں نے پیش کرنے میں تامل نہیں کیا اور یوں چند ڈالروں کے وعدۂ فردا پر اپنے لئے ایمان کش اور غلامانہ کردار پسند کیا۔ آہ

قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند!

انہوں نے ملت فروشوں میں اپنا نام لکھوا کر ذلت ورسوائی کی ایک نئی تاریخ رقم کی ہے

جعفر از بنگال وصادق از دکن ننگِ آدم، ننگ دیں، ننگ وطن

اور کچھ مسلمان ملکوں نے اپنے اڈے تو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی، لیکن اپنے بعض ذہنی تحفظات کی وجہ سے امریکی کارروائی کو خاموشی سے دیکھنے پر قناعت کی اور بعض مسلمان ملکوں نے دبے

www.KitaboSunnat.com

لفظوں میں اسے صرف جلد بازی سے تعبیر کیا۔لیکن کسی مسلمان ملک کو اس جرأتِ رندانہ کی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ امریکہ سے یہ مطالبہ کرتا کہ پہلے ہمیں اسامہ کی دہشت گردی کا واضح ثبوت دکھلاؤ، اس کے بغیر تمہاری کارروائی بجائے خود دہشت گردی ہوگی۔حتیٰ کہ اس نازک موقعے پر اسلامی سربراہی کانفرنس کا اجلاس تک بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی،صرف وزرائے خارجہ کی حد تک۔وہ بھی جب چڑیاں سارا کھیت چگ گئیں،ایک اجلاس ہوا اور اس میں بھی نشستند و گفتند و برخاستند سے زیادہ کچھ نہیں ہوا، کیونکہ اس میں ایک قرارداد مذمت تک پاس نہیں ہوئی۔

گویا سارے مسلمان ممالک اس وقت امریکہ کے غلام ہیں اور ان سب کا آقائے ولی نعمت امریکہ ہے، وہ جو چاہے کرے، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔اقوامِ متحدہ سے کچھ لوگ امیدیں وابستہ کرتے ہیں لیکن اس کا کردار بھی ایک امریکی لونڈی سے زیادہ نہیں۔امریکہ اسے بھی صرف اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے اور یوں اس کا کردار بھی اپنی پیشرو 'لیگ آف نیشنز' (انجمن اقوام) سے مختلف نہیں رہا، جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

من نہ دانم بیش ازیں کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

یہ سارے مسلمان ممالک، اقوامِ متحدہ سمیت، اس شعر کا مصداق ہیں ؎

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا

یہ ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے، ہمارا وجود ایک مجسم عبرت ہے، ذلت و رسوائی کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔بقول حالی مرحوم ؎

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

یا بقول اقبال مرحوم ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

www.KitaboSunnat.com

ایک اور شعر میں اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں:

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی، میرا ایماں ہے زناری

مسلمانوں کا عالمی کردار کیا ہونا چاہئے؟

بہرحال اس وقت مسلمانوں کا عالمی کردار تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ اب اس موضوع کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ ان کا عالمی کردار کیا ہونا چاہئے؟ اس کا جواب بھی واضح ہے کہ اسلام غالب ہونے کے لئے آیا ہے مغلوب ہونے کے لئے نہیں، نبی ﷺ کا فرمان ہے: الاسلام یعلوا ولا یعلی علیه

اس لئے یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ ہم اس کے برعکس غالب ہونے کی بجائے مغلوب کیوں ہیں؟ فاتح کی بجائے مفتوح کیوں ہیں؟ سربلند و سرخرو ہونے کی بجائے ذلیل و رسوا کیوں ہیں؟ دنیا کے قائد ہونے کی بجائے مقتدی کیوں ہیں؟

اس کے اسباب و وجوہ مخفی نہیں، ڈھکے چھپے نہیں، کوئی سربستہ راز نہیں، بلکہ ہر شخص پر واضح اور آشکارا ہیں۔ اس کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا سبب ایمان و یقین کی کمی، اپنے نظریے اور عقیدے سے انحراف، اپنے اسلامی تشخص کے تحفظ و بقا کے جذبے سے مجرمانہ حد تک غفلت و اعراض اور غیروں کی تہذیب کو اپنانے کا شوقِ فراواں اور ان کی نقالی پر فخر کرنا ہے۔ اسے علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے ایک شعر میں یوں سمو دیا ہے ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ٹی وی پر اسی مغرب کی حیا باختہ تہذیب کی یلغار ہے، ہمارے قومی اخبارات اسی تہذیب کو پھیلانے میں نہایت مؤثر کردار ادا کر رہے ہیں اور یوں بڑی تیزی سے ہم اسلامی تہذیب اور اس کے حیاء و عفت کے تصور اور ایمان و یقین سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ اقبال نے اس بات کو ظریفانہ انداز سے اس طرح بیان کیا تھا ؎

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی — ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روش مغربی ہے مد نظر — وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین؟ — پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اقبال نے یہ اشعار اس وقت کہے تھے جب بے پردگی اور غیروں کی نقالی کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا،

www.KitaboSunnat.com

اسی دور میں اکبرالہ آبادی نے بھی کہا تھا ؎

بے پردہ نظر آئیں جو کل چند بیبیاں — اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے پردہ تمہارا وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

اب اس ڈرامے کے سارے سین سامنے آ گئے ہیں، پردہ اُٹھ گیا ہے اور بقول اقبال ہی بے حجابی کا وہ زمانہ آ گیا ہے جس میں دیدارِ یار عام ہے۔

(۱) قارئین کرام ! مسئلہ انگریزی زبان کے پڑھنے یا نہ پڑھنے کا نہیں ہے، اصل مسئلہ تہذیبی شناخت اور نظریاتی تشخص کا ہے۔ انگریزی زبان اس وقت بین الاقوامی نیز سائنسی علوم کی زبان ہے۔اس لئے اس کی اہمیت وضرورت اور افادیت و ناگزیریت سے مجال انکار نہیں۔ بنابریں بحیثیت ِ زبان کے اور بطورِ علم وفن کے اس کے سیکھنے کو کوئی ناجائز نہیں کہتا۔لیکن کیا اسے پڑھنے اور سیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم انگریزی زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا ہی بنالیں، ہماری کوئی گفتگو بلاضرورت انگریزی الفاظ کی بھرمار کے بغیر نہ ہو، ہماری دکانوں کے سائن بورڈ انگریزی ہی میں ہوں، ہمارے گھروں کے باہر ناموں کی تختیاں انگریزی ہی میں ہوں، ہماری تقریبات کے دعوت نامے انگریزی میں ہوں، حتیٰ کہ ہمیں اب اپنی زبان کے امی جان، ابوجان، چچا جان، ماموں جان اور خالہ جان وغیرہ الفاظ بھی پسند نہ ہوں اور ان کی جگہ ڈیڈی، پاپا، ماما، ممی، انکل اور آنٹی وغیرہ محبوب ہوں۔ عام لوگ شاید ان باتوں پر چیں بہ جبیں ہوں گے یا اسے بے وقت کی راگنی قرار دیں گے یا غیر اہم سمجھتے ہوں گے۔لیکن میں عرض کروں گا کہ ان باتوں پر چیں بہ جبیں ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ بے وقت کی راگنی بھی نہیں ہے۔ اور اسے غیر اہم بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ تہذیبی شناخت کا مسئلہ ہے، نظریاتی تشخص کا مسئلہ ہے، قومی غیرت اور حمیت کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ دنیا میں اپنا وجود منوانا چاہتے ہیں، اقوامِ دنیا میں عزت و وقار کا مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں، اپنی عظمتِ رفتہ کے حصول کی کوئی تمنا اور آرزو رکھتے ہیں تو آپ بلا شبہ انگریزی زبان میں خوب مہارت حاصل کریں، لیکن آپ کو اپنی تہذیبی شناخت کو برقرار رکھنا ہوگا، اپنے اسلامی تشخص کی حفاظت کرنی ہوگی اور ملی غیرت وحمیت کا ثبوت دینا ہوگا۔ اس کے لئے اپنی قومی زبان، اپنا قومی لباس اور اپنا مسلم تمدن اپنانا ہوگا۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھئے تہذیبوں کے موجودہ تصادم اور نظریات کے ٹکراؤ میں آپ کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی اور آپ حرفِ غلط کی طرح مٹا دیئے جائیں گے۔ بقولِ اکبرالہ آبادی ؎

تم شوق سے کالج میں پڑھو، پارک میں پھولو — جائز ہے غباروں میں اُڑو چرخ پہ جھولو
لیکن یہ سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد — اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

www.KitaboSunnat.com

بہرحال دنیا میں عزت و وقار کا مقام حاصل کرنے کے لئے پہلی بات اپنے ایمان وعقیدے کی حفاظت اور اپنے نظریاتی تشخص کا احساس اور دینی وملی غیرت کی بقا اور اس کا اظہار ہے۔ اس کے لئے نصابِ تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ضروری ہے۔ ٹی وی کا قبلہ درست کرنے کی ضرورت ہے اور قومی اخبارات کے مالکان و مدیران کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں اور قوم کے اسلامی تشخص کے تحفظ و بقا کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔

(۲) ہماری پستی اور زبوں حالی کا دوسرا سبب خود انحصاری کی بجائے آئی ایم ایف وغیرہ کے قرضوں پر معیشت کا ڈھانچہ استوار کرنا ہے۔ جو حکومت بھی آتی ہے وہ خود انحصاری کا ڈھنڈورا تو خوب پیٹتی ہے اور کشکول توڑنے کا اعلان کرتی ہے، لیکن ساری دنیا میں کشکول لئے پھرتی ہے اور جب وہ حکومت رخصت ہوتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ قرضوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ بوجھ اور بڑھ گیا ہے۔ غلامی کی زنجیریں اور بوجھل ہوگئی ہیں اور قرض کی مے پی پی کر ہماری فاقہ مستی خوب رنگ لا رہی ہے۔ جب تک ہماری حکومتیں بیرونی قرضوں پر اپنا انحصار ختم نہیں کریں گی، ہم دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے اور ان کے ناجائز دباؤ کو نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہوسکیں گے۔

(۳) تیسرا سبب، مسلمان ملکوں کا باہمی اختلاف اور ان کے مابین اتحاد کا فقدان ہے، اسی اختلاف اور عدمِ اتفاق نے ان کی قوت کو منتشر اور پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ اگر یہ سارے ملک اسلام کی بنیاد پر متحد ہوجائیں، ان سب کی آواز ایک ہوجائے، تو اقوامِ متحدہ من مانی کرسکتی ہے نہ امریکہ و برطانیہ کو مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی ہمت ہوسکتی ہے۔ ۱۱ر ستمبر کے بعد، جیسے ساری دنیاے اسلام نے امریکہ میں ہونے والی دہشت گردی کی مذمت کی تھی، اسی طرح اگر وہ اسامہ بن لادن کے بارے میں بھی متحدہ موقف اختیار کرتی اور امریکہ سے ثبوت مانگتی۔ یا ہمارے صدرِ محترم امریکی صدر سے مہلت لے کر تمام اسلامی سربراہوں سے رابطہ کرکے انہیں صورتحال اور معاملے کی سنگینی اور نزاکت سے آگاہ کرتے، تو یقیناً اس المیے سے بچا جاسکتا تھا جو عالم اسلام کی بے حسی، مجرمانہ سکوت اور ہمارے بزدلانہ اور غیر دانش مندانہ فیصلے کی وجہ سے رونما ہوا۔ آئندہ ایسے المیوں سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ عالم اسلام میں باہم اتحاد واتفاق ہو، اسلامی سربراہی کانفرنس مؤثر اور فعال ہو اور آپس کی تلخیاں اور کشیدگیاں دور ہوں، پورا عالم اسلام ایک جسدِ واحد کی طرح اور ایک بنیانِ مرصوص ہو، عالمی مسائل بالخصوص مسلمانوں سے متعلق پالیسیوں میں ان کا موقف ایک اور اسلامی تعلیمات کا مظہر ہو۔

(۴) ہماری پستی اور کمزوری کا چوتھا سبب، منصوبہ بندی کا فقدان اور اپنے مسائل ووسائل کا عدمِ شعور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی ملکوں کو ایک تو افرادی قوت سے نوازا ہے۔ دوسرے ہر قسم کے قدرتی

www.KitaboSunnat.com

وسائل انہیں وافر مقدار میں عطا کئے ہیں، لیکن منصوبہ بندی کے فقدان اور خداداد وسائل کی قدر و قیمت کے عدمِ احساس کی وجہ سے ہم پستی کا شکار اور غیروں کے محتاج ہیں۔ ہمارے اہل علم و ہنر دیارِ غیر میں کام کررہے ہیں اور ان کی ترقی میں ان کے ساتھ خوب تعاون کررہے ہیں، ہم انہیں معقول تنخواہیں اور مراعات دے کر ان کو ملکی ترقی میں حصہ دار بنانے کے لئے تیار نہیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی خود ملی اور قومی جذبے کے پیش نظر اپنے ملک میں رہ کر اپنے ملک کو سائنسی و ایٹمی ٹیکنالوجی یا دیگر اہم شعبوں کو رفعت بہ کنار کرنا چاہتا ہو، تو ہمیں اس کی خدمات قبول نہیں، یا اس کی قدر و منزلت کا اہتمام کرکے اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے تیار نہیں، بلکہ اس کی حوصلہ شکنی کرنا اور اس کی تذلیل و توہین کرنا ہمارا شعار ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بالآخر وہ پھر دیارِ غیر ہی کو اپنا مسکن اور غیروں ہی کی خدمت کو اپنا مقصدِ زندگی بنالیتا ہے یا خاموشی اور گمنامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اس کی تازہ مثال ہمارے دو ایٹمی سائنس دانوں کے ساتھ موجودہ حکومت کا وہ رویہ ہے جو اس نے اپنے آقائے ولی نعمت امریکہ کے کہنے پر ان کے ساتھ کیا ہے..... ؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی!

اسی طرح خداداد وسائل کا معاملہ ہے، ہمیں ان کی قدر و قیمت کا اور انہیں ترقی دے کر ان سے استفادہ کرنے کا صحیح شعور و احساس ہی نہیں ہے۔ ورنہ اگر عالم اسلام مل کر اپنے وسائل و مسائل کے بارے میں اجتماعی سوچ اور فکر کو بروئے کار لائے اور ایک دوسرے سے اخذ و استفادہ کرکے انہیں ترقی دے اور انہیں صحیح طریقے سے استعمال کرے، تو اس سے ان کے مسائل بھی بہت حد تک حل ہوسکتے ہیں اور بہت جلد ترقی سے بھی ہمکنار ہوسکتے ہیں۔ اس وقت ہماری جو صورتِ حال ہے، اس کا نقشہ علامہ اقبال نے اس طرح کھینچا ہے ؎

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو — نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن، تم ہو — بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو

(۵) ہماری کمزوری و زبوں حالی کا پانچواں سبب ہمارا اپنے دفاع سے غفلت برتنا ہے۔ عالم اسلام کی دفاعی حالت یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ مال دار ملک کویت اور سعودی عرب اور عرب امارات اپنے دفاع کے لئے مغربی ممالک کے محتاج ہیں۔ آج سے چند سال قبل صدام حسین نے کویت پر جارحانہ قبضہ کرلیا اور سعودی عرب پر بھی جارحیت کے ارتکاب کا اظہار کیا، تو ان دونوں ممالک نے امریکہ و برطانیہ وغیرہ سے امداد طلب کی اور انہوں نے ہی آکر صدام کی جارحیت سے ان دونوں کو بچایا، جس کی بہت بھاری قیمت ان کو چکانی پڑی، بلکہ ابھی تک چکا رہے ہیں، جس نے ان کی معیشت کو نیم جان کردیا ہے۔ اسی طرح ۵۴ سال سے اسرائیل نے عربوں کا ناک میں دم کررکھا ہے، حالانکہ عربوں کے مقابلے

www.KitaboSunnat.com

میں وہ ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کے باشندگان کی تعداد بھی ۳۰ لاکھ سے زیادہ نہیں ہے، جب کہ عرب ۱۱کروڑ کی تعداد میں ہیں اور دنیاوی وسائل سے مالا مال بھی ہیں۔ لیکن چونکہ وہ اپنا مؤثر دفاع کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس لئے اسرائیل سے مسلسل مار کھا رہے ہیں، بالخصوص فلسطینی مسلمانوں پر اس نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے لیکن کوئی اسلامی ملک اس کا ہاتھ پکڑنے اور اسے سبق سکھانے کے قابل نہیں۔

تیسری مثال اسامہ اور ملا عمر کی ہے، مسلم حکمران امریکہ کے دباؤ پر یا اپنے ذہنی تحفظات کی وجہ سے انہیں جو چاہیں کہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو دہشت گرد کہنا ایک بہت بڑا جھوٹ اور دہشت گرد سمجھنا بہت بڑا ظلم ہے۔ یہ دونوں اسلام کے مجاہد اور ملتِ اسلامیہ کے عظیم ہیرو ہیں۔ اسامہ، اسلامی جہاد کی علامت ہے، اس نے عالم اسلام میں جہاد کی ایک لہر پیدا کی ہے جس سے عالم کفر لرزاں ہے، اس نے مسلم نوجوانوں کو ایک ولولہ تازہ دیا ہے، ان کے اندر چٹانوں کا سا عزم اور حوصلہ پیدا کیا ہے، اسلام کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ اور شعور بیدار کیا ہے جس کی وجہ سے مولے کے اندر شہباز سے لڑنے کی اور کنجشک فرومایہ کے اندر ہم پایۂ سلیمان جیسے لوگوں سے ٹکرانے کی قوت و توانائی پیدا ہوئی ہے۔ ملا عمر، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد تاریخ اسلام کا وہ تیسرا عمر ہے جس نے اپنے پانچ سالہ دور حکومت میں وسائل کی قلت اور مسائل کی بھرمار کے باوجود اسلامی حکومت کا اور اس کے عدل و انصاف اور مساوات کا وہ نمونہ عملی طور پر پیش کر کے دکھا دیا جس نے خلافتِ راشدہ کے دور کی یاد تازہ کر دی جس کے قیام کی ہر مسلمان اپنے دل میں آرزو رکھتا ہے۔ ان دونوں دانائے راز شخصیتوں کا امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے ہاتھوں شہید یا گرفتار ہوجانا، عنداللہ تو یقیناً ان کے لئے اعزاز واکرام کا باعث ہوگا، لیکن ہم مسلمانوں کے لئے وہ دن ایک نہایت المناک دن اور ڈوب مرنے کا مقام ہوگا۔ عالم اسلام کی یہ بے بسی کہ وہ ملتِ اسلامیہ کے ان بے گناہ عظیم سپوتوں کو اس وقت پناہ مہیا کرنے سے قاصر ہے، قابل عبرت تو ضرور ہے لیکن نا قابل فہم ہرگز نہیں اور ہماری غلامی کی انتہا ہے کہ حکومت نے اوقاف کی مسجدوں میں ائمہ کرام کو امریکہ، اسرائیل اور بھارت کے خلاف قنوتِ نازلہ پڑھنے یعنی ان کے لئے بددعا کرنے سے حکماً روک دیا ہے فانا لله وانا اليه راجعون۔ اقبال نے سچ ہی کہا تھا ؏ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر...... بلکہ شاید ضمیر نام کی کوئی چیز باقی ہی نہیں رہتی اور صرف 'یس سر' کہنا ہی یاد رہ جاتا ہے۔

وجہ اس بے بسی کی یہی ہے کہ کوئی بھی اسلامی ملک اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں ہے حتیٰ کہ سارا عالم اسلام مل کر ان کا مقدمہ بھی اقوامِ متحدہ میں پیش کرنے کی ہمت نہیں رکھتا، چہ جائیکہ وہ انہیں پناہ دے سکے، جبکہ ان مغربی ممالک کا اپنا کردار یہ ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے دہشت گردوں اور بڑے بڑے اخلاقی مجرموں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ان مثالوں سے مقصد اس نکتے کی وضاحت ہے کہ عالم اسلام اپنے دفاع سے یکسر غافل ہے۔ حالانکہ قرآنِ کریم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ (التوبہ:۸/۶۰)

''جتنی طاقت تم تیار کرسکتے ہو، تیار کرو اور گھوڑے بھی باندھے ہوئے تیار رکھو، تم اس کے ذریعے سے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو ڈراؤ''

حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

ألا إن القوة الرمی، ألا إن القوة الرمی، ألا إن القوة الرمی

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فصل الرمی و الحث علیه..... حدیث ۱۹۱۷)

''سن لو! قوت سے مراد تیراندازی ہے، قوت سے مراد تیراندازی ہے، قوت سے مراد تیراندازی ہے''

یعنی نبی کریم ﷺ نے قوت سے مراد تیراندازی لی ہے۔ گویا اس طرح تیراندازی کے سیکھنے کی اہمیت کو واضح فرمایا، کیونکہ اس وقت جنگ میں تیراندازی ہی سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں قوت تیار کرنے اور قوت مہیا رکھنے کا جو حکم ہے تو اس سے مراد اپنے وقت کے وہ ہتھیار اور اسلحی وسائل ہیں جو جنگ میں زیادہ سے زیادہ مؤثر اور دشمن کو زیر کرنے میں کارگر ہوسکتے ہیں۔ اس اعتبار سے آج کل بری، بحری اور فضائی تینوں شعبوں میں جو نئے نئے ہتھیار تیار ہوئے ہیں، بے آواز جہاز سے لے کر میزائل اور ایٹم بم اور ہائیڈروجن بموں تک تمام ہتھیاروں کی تیاری اور انہیں مہیا کرکے اپنے پاس رکھنا ضروری ہے، یہ قرآن کا اور پیغمبر اسلام کا فرمان ہے۔ اسی لئے علماے اسلام کا متفقہ موقف ہے کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط نہ کئے جائیں کیونکہ ایٹمی قوت کے حصول اور اس میں پیش رفت، حکم قرآنی کا تقاضا ہے اور اس سے انحراف قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔

لیکن افسوس مسلمان ممالک اس حکم قرآنی سے غافل رہے اور غافل ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ آج امریکہ اور اس کے اتحادی جو چاہیں کریں، مسلمان ممالک اس کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہیں۔ وہ اس کے حکم سے سرتابی کرنے کی ہمت نہیں رکھتے، وہ ملتِ اسلامیہ کے عظیم مجاہد اور ہیرو کو دہشت گرد کہیں، وہ اسلام کے ایک بے داغ اور مثالی حکمراں کو دہشت گردوں کا پشتیبان قرار دیں تو ہمارے اندر ان سے اختلاف کرنے کی ہمت نہیں، وہ ان دونوں پر چڑھ دوڑیں اور ان کے ساتھ دیگر بہت سے معصوم اور بے گناہوں پر تابڑ توڑ حملے کریں تو ہم اس مسلم کشی میں ان کے دست و باز بن جائیں اور اپنا سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کردیں جیسا کہ المیہ افغانستان کے پس منظر میں بیگانوں کی ستم رانی کے ساتھ اپنوں کی

www.KitaboSunnat.com

کرم فرمائی واضح ہے ؎

قریب ہے یارو روزِ محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر؟
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا !

اس لئے ضروری ہے کہ عالم اسلام اپنے وسائل جمع کرے، جس کے پاس مال و دولت ہے، وہ مال دے، جس کے پاس علم و ہنر ہے وہ اپنا علم و ہنر پیش کرے، جس کے پاس جذبہ و توانائی ہے، وہ اسے بروئے کار لائے، یوں وہ اپنے وسائل اور صلاحیتیں جمع کر کے اپنے دفاع کو ناقابل تسخیر بنائے تاکہ اس المیے کا اعادہ نہ ہو سکے اور اس تہذیبی تصادم میں مسلمان ممالک بھی اپنی تہذیب کو بچانے میں کوئی کردار ادا کر سکیں.

(٦) چھٹا سبب، مغرب کے مقابلے میں ہمارے اخلاق و کردار کی پستی ہے۔ مغرب بے دین ہونے اور بے حیائی کو تہذیب کے طور پر اپنانے کے باوجود عمومی زندگی میں چند اخلاقی قدروں کا پاسبان ہے، امانت و دیانت اس کا شعار ہے۔ محنت، لگن اور جدوجہد کرنے والا ہے، علم و ہنر کا حامل اور اہل علم و ہنر کا قدردان ہے۔ اپنی ان خوبیوں کا وہ صلہ پا رہا ہے، دنیا میں اس کی تجارتی ساکھ قائم ہے، پوری دنیا اس کی مصنوعات کی منڈی ہے اور گراں سے گراں تر ہونے کے باوجود لوگ انہیں آنکھیں بند کر کے لے لیتے ہیں۔

حالانکہ یہ وہ خوبیاں ہیں جن کی تلقین ہمیں ہمارے مذہب نے کی ہے، ان خوبیوں میں ہمیں ممتاز ہونا چاہئے تھا، اخلاق و کردار کی یہ بلندی ہمارا شعار ہونا چاہئے تھا۔ لیکن بدقسمتی سے معاملہ اس کے برعکس ہے، ہم مذکورہ خوبیوں سے محروم اور اخلاقی پستیوں میں مبتلا ہیں!!

اور ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ ہم آج کل مغرب کی تقلید اور اس کی نقالی کرنے میں فخر تو محسوس کرتے ہیں لیکن اس کی مذکورہ خوبیاں اپنانے کے لئے پھر بھی تیار نہیں۔ گویا ہم نے اس کی تقلید بھی کی ہے تو ایسی باتوں میں جو ہمارے مذہب کے خلاف ہیں اور ان کا کوئی تعلق مادّی و سائنسی علوم اور ترقی سے نہیں ہے۔ ہم شوق سے کتے پالتے ہیں، ڈاگ شو اور فیشن شو منعقد کرواتے ہیں۔ کس لئے؟ کہ فرنگی اس کا شوق رکھتے ہیں، ہم نے اپنی عورتوں کو بے پردہ کر دیا، محض اس لئے کہ ان کی عورتیں بے پردہ ہیں، ہم نے ان کا سا لباس اختیار کر لیا، تاکہ ہم بھی ماڈرن اور مہذب لگیں یا کہلوائیں۔ لیکن کوئی بتلائے کہ ان چیزوں کا کوئی تعلق ان کی ترقی اور ان کے علوم و فنون کی مہارت سے ہے؟ کیا ان کی ترقی کتوں سے پیار کرنے کی مرہونِ منت ہے یا کوٹ پتلون اور ٹائی کا اس میں دخل ہے؟ کیا عورتوں کی عریانی ان کی ترقی کی بنیاد ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر ان چیزوں میں ان کی تقلید کا کیا فائدہ؟ اور اپنے تہذیبی تشخص اور مذہبی

www.KitaboSunnat.com

انفرادیت کو ختم کرنے کا کیا مطلب؟ ان کی ترقی کا راز تو علم وہنر، ان کی محنت اور لگن، امانت و دیانت اور انتھک جدوجہد میں مضمر ہے۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے، جنہوں نے خود مغرب میں رہ کر ہر چیز کا مشاہدہ کیا تھا، وہ یورپ کی ترقی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب — نے ز رقص دختراں بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ رو است — نے ز عریاں ساق و نے از قطع مو است
محکمی او نہ از لادینی است — نے فروغش از خط لاطینی است
قوتِ افرنگ از علم و فن است — از ہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت از قطع و برید جامہ نیست — مانع علم و ہنر عمامہ نیست

ہماری پستی اور کمزوری کے یہ چند اسباب ہیں۔ جب تک ہم اپنی مذکورہ کمزوریوں کا ازالہ نہیں کریں گے اور مذکورہ خطوط پر اپنی پالیسیوں کو استوار نہیں کریں گے، ہم موجودہ تہذیبی تصادم میں اپنا وہ عالمی کردار ادا نہیں کرسکیں گے جو ہماری عظمتِ رفتہ کا بھی آئینہ دار ہو اور روشن مستقبل کا مظہر بھی۔ بقولِ علامہ اقبالؒ ؎

اٹھو! وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی — دوڑو! زمانہ چال قیامت کی چل گیا
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے 'اہل اسلام' — تمہاری داسان تک نہ ہوگی داستانوں میں
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے — پیش کر غافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے — مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے — نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا — ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی — اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہگذر
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار — لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

علامہ اقبالؒ مزید فرماتے ہیں ؎

ناموس ازل راہ تو امینی تو امینی! — دار اے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی — صہبائے یقیں درکش و از دیر گماں خیز
از خواب گراں، خواب گراں، خواب خیز! — از خواب گراں خیز!
فریاد زافرنگ و دل اویزیٔ افرنگ — فریاد زشیرینی و پرویزیٔ افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزیٔ افرنگ — معمار حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز! — از خواب گراں خیز!

www.KitaboSunnat.com

□ نمازیوں کو سلام کہنا اور اس کا جواب □ بعض احادیث اور الفاظ کی تحقیق
□ ظہر اور عصر سے قبل ۴ رکعت سنتیں ایک سلام سے پڑھنا □ سسرال میں قصر نماز پڑھنا

☆ سوال: مسنون خطبہ میں الفاظ ونؤمن به ونتوكل عليه صحیح سند سے ثابت ہیں؟
لفظ أشهد صرف واحد کے صیغہ سے ہی ہے یا جمع سے بھی؟
لفظ يُضْلِلُ کے ساتھ ضمیر 'ہ' کا اضافہ ثابت ہے؟

جواب: مسنون خطبہ میں ونؤمن به ونتوكل عليه کے اَلفاظ ثابت نہیں۔ یہ الفاظ 'تاریخ بغداد' میں حضرت جابرؓ سے مروی روایت میں ہیں لیکن سند کے اعتبار سے سخت ضعیف ہیں۔

اور لفظ أَشْهَدُ مفرد کے صیغہ سے ہی ثابت ہے، بطورِ صیغہ جمع نہیں۔

لفظ يُضْلِلُ کے ساتھ 'ہ' ضمیر کا اضافہ ثابت نہیں، مذکورہ روایت صحیح مسلم (۱۱/۳)، سنن نسائی (۲۳۴/۱)، سنن بیہقی (۲۱۴/۳) اور مسند احمد (۳۱۹/۳، ۳۷۱) میں موجود ہے۔

☆ سوال: افطاری کی دعا: اللهم لك صمت وعلىٰ رزقك أفطرت کی اِسنادی حیثیت کیسی ہے؟ بعض مقامات پر تو الفاظ وبك آمنت وعليك توكلت بما قدمت وأخرت کا اضافہ بھی کیا جاتا ہے، کیا یہ اضافہ کسی حدیث سے ثابت ہے۔ (صبغت اللہ صابر بلوچ، کراچی)

جواب: اصلاً یہ روایت سنن ابوداود میں 'مرسلاً' مروی ہے لیکن شواہد کی بنا پر اس کو تقویت حاصل ہے۔ مشکوٰۃ از علامہ البانیؒ (۶۲۳/۱، حدیث ۱۹۹۴) اور وبك آمنت ...... کے اَلفاظ بے اصل ہیں، جہالت اور لاعلمی کی بنا پر لوگ یہ لکھتے ہیں۔ کسی حدیث میں ان کا ثبوت نہیں ملتا۔

☆ سوال: ''تمہاری قربانیاں پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔'' (تلخیص) علامہ البانیؒ نے سلسلہ ضعیفہ حدیث نمبر ۷۴ اور ۲۵۵ میں اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ کیا یہ فضیلت کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

جواب: مذکورہ حدیث واقعی ضعیف ہے۔ امام ابن العربی فرماتے ہیں:

ليس فى فضل الأضحية حديث صحيح، وقد روى الناس فيها عجائب لم تصح، منها قوله : إنها مطاياكم إلى الجنة (عارضة الأحوذي:۶/۲۸۸)

''قربانی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ لوگوں نے اس بارے میں کئی عجوبے نقل کئے ہیں

www.KitaboSunnat.com

جو غیر صحیح ہیں۔ انہی میں سے یہ قول بھی ہے کہ یہ جنت کی طرف تمہاری سواریاں ہیں☆۔''

☆ سوال: حضرت فاطمہؓ سے تعزیت کے واقعہ والی حدیث (ابوداؤد مع عون المعبود: ۱۶۰/۳) کی سند کیسی ہے؟ اس حدیث سے یا ترمذیؒ کی مذکورہ بالا حدیث سے تعزیت کے موقع پر مروّجہ اجتماعی دعا ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔ اگر صحیح بھی مانی جائے تو اس میں اجتماعی مروّجہ دعا کا ذکر ہی نہیں۔ اسی طرح ترمذی کی مذکورہ روایت سے بھی تعزیت کے موقع پر مروّجہ اجتماعی دعا کا ثبوت نہیں ملتا۔

☆ سوال: مشکوٰۃ حدیث نمبر ۴۹۴۴ عن ابن عباسؓ کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین کی طرف رحمت سے دیکھنے سے حج کا ثواب ہوتا ہے۔ تحقیق المشکوٰۃ میں علامہ البانیؒ نے اس حدیث کو 'موضوع' کہا ہے. تنقیح الرواۃ (۳۳۱/۲) میں ہے کہ ورمز له السيوطى فى جامع الصغير بالضعف (امام سیوطی نے جامع الصغیر میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے)..... کیا یہ حدیث یا اس میں مذکور فضیلت کسی دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے؟ (محمد صدیق تلیاں، ایبٹ آباد)

جواب: والدین کے ساتھ احسان وسلوک کی بے شمار روایات ثابت ہیں لیکن اس قسم کی فضیلت کی کوئی روایت ثابت نہیں۔

☆ سوال: حضرت سلمان فارسیؓ کے حوالے سے سنن ترمذی میں یہ روایت آتی ہے: إن ربكم حيي كريم يستحيي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صِفرا (مشکوٰۃ:۲۲۴۴) اس حدیث سے بعض لوگ فرض نماز کے بعد مروّجہ اجتماعی دعا پر استدلال کرتے ہیں جبکہ علامہ ابن تیمیہؒ اس دعا کو 'بدعت' کہتے ہیں (فتاویٰ الکبریٰ ۲۱۹/۱)۔ درست موقف کون سا ہے؟

جواب: اس حدیث میں فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا ذکر ہی نہیں تو اس سے استدلال کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عام حالات میں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو المجموع شرح المهذب (۵۰۷/۴ تا ۵۱۱) اور علامہ سیوطیؒ کا رسالہ فضل الدعاء تخریج از محمد شکور میادینی۔

☆ سوال: مسجد میں جب نمازی نماز پڑھ رہے ہوں تو کیا بلند آواز سے 'السلام علیکم' کہہ سکتے ہیں؟

جواب: نمازی کو بآوازِ بلند سلام کہا جاسکتا ہے لیکن وہ اس کا جواب انگلی یا ہاتھ کے اشارے سے دے گا۔ چنانچہ سنن ترمذی میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے:

قال قلت لبلال: كيف كان النبى ﷺ يردّ عليهم حين كانوا يسلمون عليه وهو

☆ مزید تفصیل کے لئے: ''فضائل قربانی کی احادیث کا علمی جائزہ'' از غازی عزیر (ماہنامہ 'محدث': جلد ۲۳ عدد ۳)

www.KitaboSunnat.com

في الصلوة؟ قال: كان يشير بيده

''ابن عمرؓ نے کہا: میں نے بلالؓ سے دریافت کیا: نبی ﷺ بحالتِ نماز لوگوں کے سلام کا جواب کس طرح دیتے تھے؟ کہا: ہاتھ کے اشارے سے۔''

صاحبِ مرعاة المفاتيح فرماتے ہیں:

والحديث فيه دليل على جواز ردّ السلام فى الصلوٰة بالإشارة وهو مذهب الجمهور واختلف الحنفية فمنهم من كرهه، ومنهم الطحاوي ومنهم من قال لا بأس به (مرعاة المفاتيح: ۲/ ۱۲)

''اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ نماز میں سلام کا جواب اشارہ سے ہونا چاہئے اور اس بارے میں احناف کا آپس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے ناپسند کیا مثلاً طحاوی اور بعض کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔''

بلاشبہ دلائل کے اعتبار سے جواز کا پہلو راجح ہے۔ تفصیلبحث کے لئے ملاحظہ ہو: المرعاۃ: ۲/۱۲

☆ سوال: ظہر اور عصر سے قبل چار رکعت سنت، ایک سلام سے پڑھنا کیسا ہے؟ جبکہ حدیث میں ہے

(۱) قال رسول اللهﷺ: صلوٰة الليل والنهار مثنىٰ مثنىٰ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

(۲) كان النبیﷺ يصلى قبل العصر أربع ركعات يفصل بينهن بالتسليم (صحيح سنن ترمذى : ۳۵۳)

جواب: ظہر اور عصر سے پہلے چار رکعات اکٹھا پڑھنے کا جواز ہے۔ چنانچہ سنن ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت اُمّ حبیبہؓ سے مروی ہے کہ

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: جس نے ظہر سے قبل چار رکعات اور اس کے بعد چار رکعات باقاعدگی سے ادا کرتا ہے، اللہ اس پر آگ کو حرام کردیتے ہیں۔''

یہ حدیث مجموعی اعتبار سے صحیح ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری باب الركعتين قبل الظهر کے تحت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: أن النبی ﷺ كان لايدع أربعا قبل الظهر

''نبی ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے۔''

حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ چار رکعتیں اکٹھی پڑھتے تھے۔ جبکہ سوال میں مذکور حدیث میں ہے کہ رات اور دن کی نماز دو دو رکعتیں ہیں اور صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے بھی اسی پر زور دیا ہے تو اس بارے میں اولیٰ بات یہ ہے کہ اس کو دو حالتوں پر محمول کیا جائے: بعض دفعہ آپؐ دو پڑھتے اور بعض دفعہ چار۔ چنانچہ فتح الباری (۳/۵۸) میں ہے: "والأولى أن يحمل على حالين: فكان تارة يصلى ثنتين وتارة يصلى أربعا"

www.KitaboSunnat.com

☆ سوال: فرض نماز کے بعد اگر کوئی شخص دعا کرنے کی اپیل کرے تو کیا امام اور مقتدی اجتماعی دعا کر سکتے ہیں۔ نیز نمازِ جمعہ کے بعد اجتماعی دعا کرنا کیسا ہے؟ (محمد شاہد، حجرہ شاہ مقیم)

جواب: کسی پیش آمدہ مسئلہ کی بنا پر اجتماعی دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں، صحیح بخاری میں ہے:

فرفع رسول اللهﷺ يديه يدعو ورفع الناس أيديهم مع رسول اللهﷺ يدعون (باب رفع الناس أيديهم مع الإمام فى الاستسقآء)

''پس نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو دعا کے لئے اٹھایا تو لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ نبی کریمؐ کے ساتھ دعا کے لئے بلند کر لئے۔''

اس کے لئے وقت کا کوئی تعین نہیں، چاہے فرض نماز کے بعد ہو یا جمعہ کی نماز کے بعد۔ اور اگر فرض نماز اور جمعہ کے بعد طریقہ مسنونہ سمجھ کر اجتماعی دعا کی جائے تو یہ سنت سے ثابت نہیں۔

☆ سوال: 'صلوٰۃ المسلمین' میں مختلف احادیث سے ثابت کیا گیا ہے کہ امام رکوع سے سر اُٹھاتے وقت اللهم ربنا ولك الحمد بھی بلند آواز سے کہے۔ کیا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ امام مذکورہ الفاظ سری طور پر کہہ سکتا ہے؟

جواب: مذکورہ الفاظ امام کو 'سری' کہنے چاہئیں چنانچہ صحیح بخاری میں رفاعہ بن رافعؓ سے مروی ہے کہ

''ہم نبی ﷺ کے پیچھے تھے جب آپؐ نے رکوع سے سر اٹھایا تو سمع الله لمن حمده کہا۔ پیچھے ایک آدمی نے کہا: ربنا ولك الحمد..... الخ۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ابھی یہ کلمات کس نے کہے؟ ایک آدمی نے کہا: میں نے، آپؐ نے فرمایا: میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا ہے، وہ اس کوشش میں تھے کہ کون پہلے اس نیک عمل کو لکھتا ہے۔''

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس ذکر کو جہری پڑھنا نبی ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کا طریقہ نہ تھا، اگر تمام صحابہ کرامؓ اس ذکر کو جہری پڑھتے تو اس صحابی کی آواز سب کی آواز سے نمایاں نہ ہوتی۔ یہ سنت قولی تقریری ہے، اس کا تعلق بھی فرائض سے ہے لہٰذا سری پڑھنے میں کوئی اشکال نہیں۔

☆ سوال: سورۃ السجدہ (آیت ۱۱) میں 'ملک الموت' کا ذکر ہے، اسی طرح مسند احمد میں حدیث براءؓ اور صحیح مسلم میں فضائل موسیٰ علیہ السلام میں بھی 'ملک' کا تذکرہ ہے۔ بعض مفسرین نے ان کا نام عزرائیل نقل کیا ہے، کیا صحیح حدیث میں ملک الموت کا نام عزرائیل ثابت ہے یا پھر ملک الموت ہی کہنا چاہئے؟

جواب: ملک الموت کا نام صحیح مرفوع متصل حدیث سے تو عزرائیل ثابت نہیں، البتہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر القرآن العظیم (۵۹۹/۳) میں فرماتے ہیں:

الظاهر من هذه الأية أن ملك الموت شخص معين من الملائكة كما هوالمتبادر من حديث البراء المتقدم ذكره فى سورة إبراهيم وقد سمي فى بعض الأثار

www.KitaboSunnat.com

بعزرائيل وهو المشهور، قاله قتادة وغير واحد وله أعوان

''اس آیت سے ظاہر یہ ہے کہ ملک الموت فرشتوں میں سے ایک معین شخص کا نام ہے، جس طرح کہ حدیثِ براء سے واضح ہے جو سورۂ ابراہیم میں گزر چکی ہے۔ تاہم بعض آثار میں اس کا نام عزرائیل مشہور ہے جس طرح کہ قتادہؒ اور دیگر کئی ایک اہل علم نے بیان کیا ہے جس کی تائید دیگر اقوال سے بھی ہوتی ہے۔''

☆ **سوال**: حضرت عثمانؓ سے ایک روایت آئی ہے کہ سسرال میں نماز، قصر کی بجائے پوری پڑھنی چاہئے (رواہ احمد) ...... وضاحت فرمائیے؟

جواب: یہ روایت ضعیف ہے۔ امام بیہقی نے کہا کہ اس کی سند میں انقطاع ہے علاوہ ازیں اس کی سند میں عکرمہ بن ابراہیم ضعیف راوی ہے، بحوالہ اضواء البیان (۱/۳۳۱)۔ اس سلسلہ میں کوئی مرفوع متصل روایت ثابت نہیں، تاہم ابن ابی شیبہ وغیرہ کے بعض آثار و اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جائے ملکیت پر نماز مکمل پڑھنی چاہئے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت عثمانؓ اور امام مالکؒ، ابوحنیفہؒ اور احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ جہاں کوئی نکاح کرلے یا اس کی بیوی اسی شہر میں ہو وہاں سے شوہر کا گزر ہو تو پوری نماز پڑھے کیونکہ یہ ان کے نزدیک وطن کے حکم میں ہے۔ ان آثار کی بنا پر سسرال میں پوری نماز پڑھنے کا صرف جواز ہے لیکن ضروری نہیں۔ واللہ اعلم!

☆ **سوال**: میرا مستقل رہائشی مکان میرے ڈیوٹی سٹیشن سے ۹۰ کلومیٹر دور ہے، اور میرا زیادہ تر قیام ڈیوٹی سٹیشن پر ہی ہوتا ہے۔ یہاں رہائش سرکاری ہے اور تقریباً تمام سہولیات موجود ہیں اور نماز پوری ادا کرتا ہوں۔ تقریباً پندرہ روز بعد مستقل گھر میں جو کہ والد صاحب کی ملکیت ہے، ایک رات کے لئے جاتا ہوں۔ آیا یہاں نماز قصر کی جاسکتی ہے؟ (ڈاکٹر حق نواز، راولپنڈی)

جواب: جب والد صاحب کی زیارت کیلئے جائیں تو وہاں نماز پوری پڑھیں، احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔

☆ **سوال**: کیا اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، تفصیلاً جواب دیں؟

جواب: اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، راجح مسئلہ یہی ہے۔ سنن ابوداود میں حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے:

سئل رسول الله ﷺ عن الوضوء من لحوم الإبل، فقال: توضؤوا منها الحديث

''رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: اس سے وضو کرو۔''

امام نوویؒ فرماتے ہیں: دلیل کے اعتبار سے یہ مسلک زیادہ پختہ ہے، اگرچہ جمہور کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: عون المعبود (۱/۲۷۳،۲۷) ☆☆

www.KitaboSunnat.com

ایمان وعقائد

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

قسط نمبر۲

شرک اور اس کی مختلف مروّجہ صورتیں

(۴) جنات پرستی

جن بھی فرشتوں کی طرح ایک غیر مرئی مخلوق ہے جو آگ سے پیدا کی گئی۔ انسان کی پیدائش سے پہلے یہی مخلوق اس زمین پر آباد تھی۔ یہ مخلوق بھی انسان کی طرح عقل وشعور اور اختیار وارادہ رکھتی ہے اور اسی طرح شریعت کی مکلف ہے جس طرح انسان۔ ان میں نبوت کا سلسلہ جاری تھا جو انسان کی پیدائش کے بعد بنی نوع انسان میں ہی محدود ہوگیا۔ قرآن کریم میں سورۂ جن سے ثابت ہے کہ بہت سے جن رسول اللہؐ سے قرآن سن کر آپؐ کی نبوت پر ایمان لائے تھے۔ انسان کے علاوہ دوسری صرف یہی مخلوق ہے جو مکلف ہے۔ لہٰذا اس کا بھی حشر ونشر ایسے ہی ہوگا جیسے انسان کا۔ نیز ان میں بھی توالد وتناسل کا سلسلہ ایسے ہی قائم ہے جیسے انسان میں۔ جنوں اور انسانوں میں فرق یہ ہے کہ

(۱) انسان اپنا ایک مخصوص جسم اور شکل وصورت رکھتے ہیں، جبکہ جن اپنی شکل بدل سکتے ہیں۔

(۲) انسانوں کی نسبت جن بہت زیادہ سریع السیر ہیں۔ ان کی پرواز آسمانوں تک بھی ہوسکتی ہے، جبکہ انسان مادّی ذرائع کا محتاج ہے۔

(۳) وہ انسان سے بہت زیادہ طاقتور ہیں۔ یہ حضرت سلیمانؑ کے تابع تھے تو حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس اور دوسرے بڑے مشکل ترین کاموں پر انہی جنات کو مامور کیا تھا اور جب حضرت سلیمانؑ کو ملکہ سبا کا تخت منگوانے کا خیال آیا تو انہی جنوں میں سے ایک بڑے جن یا دیو (عفریت) نے اپنی خدمات پیش کی تھیں کہ وہ اسے چند گھڑیوں میں لاسکتا ہے۔

(۴) مادّی پردے جنوں کی راہ میں حائل نہیں ہوتے کیونکہ وہ لطیف ہیں۔ لیکن انسان خاکی مخلوق اور کثیف ہے۔ مادّی پردے اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

ابلیس اسی نوع سے تعلق رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا بہت عبادت گزار ہونے کی وجہ سے فرشتوں میں داخل ہوگیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تو اس کی انانیت کی رگ پھڑک اُٹھی کہ وہ اپنے سے بعد میں پیدا ہونے والی اور کم تر درجہ کی یعنی خاکی مخلوق کے آگے سرِ تسلیم کیوں خم کرے؟ چنانچہ صاف انکار کردیا جس سے ایک طرف تو اللہ کا نافرمان ہونے کی وجہ سے مردود قرار پایا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان اور ابلیس میں ہمیشہ کے لئے ٹھن گئی اور اولاد کا سلسلہ دونوں طرف چلتا ہے۔ اور

تیسرا نتیجہ یہ تھا کہ جن (جسے عربی میں شیطان بھی کہتے ہیں) رقابت کی وجہ سے بحیثیت نوع بھی انسان کے درپے آزار ہی رہا ہے۔ اس سے انسان کو نفع تو کم ہی ہوگا، اکثر نقصان ہی پہنچا ہے۔

بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کو اشرف المخلوقات بنایا تھا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جنوں پر بھی انسان کی بالادستی قائم ہے۔ لیکن اسے انسان کی کم فہمی سمجھئے یا ستم ظریفی کہ انسان نے اپنی توہم پرستی اور عقیدۂ توحید میں کمزوری کی بنا پر شیطان کو ازسرنو اپنے آپ پر مسلط کرلیا اور اس سے پناہ مانگنے لگا۔ گویا اس نے اپنے اور معبودِ حقیقی کے درمیان ایک اور جنس کو بالاتر ہستی تسلیم کرلیا اور یہی اس کا صریح شرک تھا۔ قرآنِ کریم نے اس عقیدہ کو ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے:

﴿وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا﴾ (الجن:٦)

''اور یہ کہ بعض انسانوں نے بعض جنوں کی پناہ پکڑنا شروع کردی تو اس سے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔''

اللہ کے سوا کسی سے پناہ مانگنا صریح شرک ہے

اور ہم پہلے یہ تصریح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر مرئی مخلوق کو اپنے سے بالاتر اور صاحب تصرف ہستی سمجھنا ہی اصل شرک ہے، چہ جائیکہ دفع مضرت کے لئے، اس سے پناہ بھی طلب کی جائے اور انسانوں کے اس فعل کو اللہ نے جنوں کی عبادت قرار دیا۔ ارشادِ باری ہے:

﴿بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ﴾ (سبا:٤١)

''بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ان پر ایمان لائے ہوئے تھے۔''

پھر حضرت انسان نے اس استعاذہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ دیوی، دیوتاؤں اور فرشتوں کی طرح جنوں کا بھی اللہ تعالیٰ سے نسبی رشتہ قائم کردیا، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾

''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان نسبی رشتہ قائم کردیا، حالانکہ جن خوب جانتے ہیں کہ وہ بھی مجرم کی حیثیت سے (قیامت کے دن) پیش ہونے والے ہیں۔'' (الصافات:١٥٨)

رجال الغیب

ایک تو حضرت انسان نے یہ کارنامہ سرانجام دیا کہ جنوں کو اپنے سر چڑھا لیا۔ دوسری طرف اس نے انہیں رام کرنے کے لئے کئی طرح کے اَوراد اور جنتر منتر بھی دریافت کر لئے اور ان کی روحوں کو جنہیں عام طور پر رجال الغیب کے نام سے پکارا جاتا ہے، مسخر کر کے کئی قسم کی شعبدہ بازیاں دکھانا شروع کیں اور اسی بنیاد پر سحر یا جادوگری کی عمارت قائم کردی۔ اور بالآخر علم سحر جس میں صرف شیطانی اور خبیث روحوں

کا واسطہ ہوتا ہے، ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کرگیا جس کا مقصد محض لوگوں کو تنگ کرکے اور انہیں نقصان پہنچا کر اپنی ہیبت کا سکہ جمانا ہوتا ہے۔

جادو

جادو کا علم بھی حضرت سلیمانؑ (۹۵۰ ق م) سے بہت پہلے ایجاد ہو چکا تھا۔ اور آپ کے زمانہ میں یہ فن اپنے انتہائی عروج پر تھا۔ اس کے آغاز کی تاریخ کا تعین تو مشکل ہے تاہم اس کی قدامت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ جو نبی بھی معجزہ لے کر آیا تو منکروں نے اسے جادو قرار دیا۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت عیسیٰؑ سب کو منکروں کی زبان سے 'ساحر' کا الزام سننا پڑا۔ حضرت سلیمانؑ کو جو معجزات عطا ہوئے تھے تو جادوگروں نے یہ الزام لگایا کہ ان کی حکومت بھی جادو کے سہارے قائم ہے۔ جادو کو قرآن نے صریح کفر قرار☆ دیا ہے اور اس کا مقصد واشگاف لفظوں میں بتلایا ہے کہ وہ محض ایذا رسانی ہے، اس میں بھلائی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ﴾ (البقرۃ:۱۰۲)

''اور وہ لوگ کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو ان کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے تھے۔''

اور حدیث میں جادو کو واضح طور پر شرک قرار دیا گیا ہے۔ سنن نسائی میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

عن أبي هريرة قال رسول اللهﷺ: من عقد عُقدة ثم نفثها فيها فقد سحر ومن سحر فقد أشرك ومن تعلق شيئا وُكّل به" (کتاب المحاربہ، باب الحکم فی السحرۃ)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص گرہ ڈال کر اس میں پھونک مارے، اس نے جادو کیا اور جس نے جادو کیا، اس نے بلاشبہ شرک کیا اور جس نے گلے میں کچھ لٹکایا تو وہ اسی پر چھوڑ دیا جائے گا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جادو کے شرک ہونے میں کوئی شک نہیں۔ علاوہ ازیں مشکوک تعویذ لٹکانا بھی گناہِ کبیرہ ہے کیونکہ اس طرح وہ شخص اللہ کی حفاظت کے بجائے اس تعویذ سے حفاظت چاہتا ہے تو خدا اس کی حفاظت چھوڑ دیتا ہے۔

کہانت

کاہن علم غیب کی خبریں بتلاتے ہیں۔ ان کا تعلق بھی شیطانی روحوں اور جنات سے ہوتا ہے اور چونکہ انبیاء و رسل بھی بعض غیب کی خبریں بتلاتے ہیں لہٰذا ان مقدس ہستیوں پر 'کاہن' کا الزام بھی لگایا

☆ جادو کے بارے میں تفصیل سے پڑھنے اور اس کے قرآنی علاج کے لئے محدث میں شائع شدہ قسط وار ۹ مضامین کا مطالعہ کریں جو اب ادارہ کی طرف سے ''شریر جادوگروں کا قلع قمع کرنے والی تلوار'' کے نام سے مستقل کتابی صورت میں بھی شائع ہوچکی ہے۔

جاتا رہا ہے۔ بخاری باب الکھانۃ میں ہے کہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ

''کاہنوں کی باتوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: ''ان کی باتیں محض لغو ہیں'' لوگوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! کبھی تو ان کی بات سچ نکلتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں! یہ بات وہ ہوتی ہے جو کاہن شیطان سے اڑا لیتا ہے اور یہ شیطان یا جن ملأ اعلیٰ سے، پھر وہ اپنے ولی کے دوست کے کان میں پھونک دیتا ہے تو یہ لوگ اس میں جھوٹ ملا لیتے ہیں۔'' (بخاری، باب الکہانہ)

اس مضمون کو قرآن نے مختصراً یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَحَفِظْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ لَّا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَى وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾

''اور (ہم نے آسمانِ دنیا کو) ہر شیطانِ سرکش سے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ شیاطین ملأ اعلیٰ کی باتیں سن نہیں سکتے۔ ہر طرف سے مارے اور ہانکے جاتے ہیں اور ان کے لئے پیہم عذاب ہے۔ تاہم ان میں سے اگر کوئی کچھ لے اُڑے تو ایک تیز انگارہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔'' (الصافات: ۷ تا ۱۰)

کاہنوں کے پاس لوگ گم شدہ چیزوں کا پتہ لگانے اور اگلے پچھلے حال دریافت کرنے کے لئے رجوع کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو علوم اور پیشے ایسے ہی احوال سے وابستہ ہوں، وہ ناجائز ہیں۔ اور حدیث میں کاہن کی کمائی کو حرام قرار دیا گیا ہے:

"عن أبی مسعود الانصاری أن رسول اللہ ﷺ نهی عن ثمن الكلب ومهر البغی وحلوان الكاهن" (بخاری: کتاب البیوع، باب ثمن الکلب)

''ابومسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتوں کی خرید وفروخت، فاحشہ کی کمائی اور کاہن کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔''

بخاری میں ایک اور حدیث بروایتِ حضرت عائشہ صدیقہؓ یوں ہے کہ

''حضرت ابوبکرؓ کا ایک غلام تھا جو خراج ادا کرتا تھا اور آپ اس خراج سے کھا لیتے تھے۔ ایک دن وہ غلام کچھ لے کر آیا تو آپ نے اس سے کچھ کھا لیا۔ غلام نے کہا: آپ جانتے ہیں، یہ کیا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: یہ کیا؟ کہنے لگا: میں جاہلیت میں کہانت کرتا تھا۔ حالانکہ میں اچھی طرح جانتا بھی نہ تھا اور دھوکے سے کام چلاتا تھا۔ سو کسی نے مجھے اب اس کی اُجرت دی اور وہی اب آپ نے کھائی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے قے کر دی اور پیٹ میں جو کچھ تھا، سب نکال دیا۔'' (مشکوٰۃ: کتاب البیوع، بحوالہ بخاری)

عقیدۂ توحید کی مشکلات

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ جب بھی کوئی نبی یا رسول آیا، اس کی مخالفت ہی کی گئی ہے اور اسے ساحر،

کاہن اور طرح طرح کے القاب سے نوازا گیا اور یہ مخالفت ہے بھی ناگزیر۔ کیونکہ نبی آتا ہی اس وقت ہے جب کوئی قوم اپنی عادت و اَطوار میں انحطاط پذیر ہوچکی ہو۔ لہٰذا نبی کی آمد پر حق و باطل کی جنگ شروع ہوجاتی ہے۔ جب ہم انبیا کی دعوت پر غور کرتے ہیں تو سرفہرست عقیدۂ توحید اور انبیا کی اطاعت نظر آتی ہیں۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس عقیدۂ توحید کے وہ کون کون سے پہلو ہیں جو بنائے مخاصمت بنتے رہے ہیں:

۱۔ اللہ کا ربّ العالمین ہونا

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ لفظ ربّ چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے

(۱) تربیت کنندہ، خبر رساں، اِصلاح کنندہ اور کسی چیز کو تربیت کر کے حد کمال تک پہنچانے والا۔

(۲) آقا جو صرف تربیت کا ذمہ دار ہو

(۳) مالک جو اپنی مملوکہ چیز میں تصرف کا پورا پورا حق رکھتا ہو اور

(۴) بمعنی قانون دہندہ یعنی اس کے احکام کی تعمیل مملوکہ چیز پر لازم ہو۔

اب اگر ان معانی کو مزید مختصر کیا جائے تو صرف دو مفہوم باقی رہ جاتے ہیں:

(۱) تربیت کرنے اور جملہ ضرورتوں کا خیال رکھنے والا (۲) ایسا مالک جس کی اطاعت لازم ہو۔

اب دیکھئے جہاں تک پہلے مفہوم کا تعلق ہے۔ کفار اور مشرکین کو اس کے اقرار میں سرمو اِختلاف نہ تھا۔ قرآن میں ان لوگوں کے اقرار کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿قُلْ لِمَنِ الأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُونَ﴾ (المومنون:۸۴تا۸۹)

''اے پیغمبر! ان سے کہو کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ کس کی ملک ہے؟ بتاؤ، اگر تم جانتے ہو۔ کہیں گے کہ وہ اللہ کی ملک ہے، کہو: پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے؟ پوچھو کہ ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا ربّ کون ہے، وہ کہیں گے اللہ، کہو: پھر بھی تم نہیں ڈرتے۔ پوچھو: ہر چیز پر شاہانہ اختیارات کس کے ہیں اور وہ کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ فوراً کہہ دیں گے کہ ایسی بادشاہی تو اللہ ہی کی ہے کہو پھر تم پر جادو کہاں سے چل جاتا ہے''

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمَنْ يُدَبِّرُ الأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنّٰى تُصْرَفُونَ﴾ (یونس:۳۱،۳۲)

''ان سے پوچھو کہ تمہیں آسمان و زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ آنکھوں کی بینائی اور کانوں کی شنوائی کس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ کون ہے جو جاندار کو بے جان میں سے اور بے جان کو جاندار میں سے نکالتا ہے؟ کون ہے جو کائنات کا انتظام چلا رہا ہے؟ تو فوراً کہہ دیں گے کہ اللہ۔ کہو پھر تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں؟..... ان تمام امور کو سرانجام دینے والا ہی تمہارا ربِّ حقیقی ہے، اللہ ہی ہے۔ حقیقت کے بعد گمراہی کے سوا کیا باقی رہ جاتا ہے؟ پھر یہ ٹھوکر تمہیں کہاں سے لگ جاتی ہے کہ حقیقت سے پھرے جاتے ہو؟''

گویا ان کفار کو اس بات کا قطعاً انکار نہ تھا کہ ساتوں آسمان، زمین اور عرشِ عظیم کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ ہمیں بھی اسی نے پیدا کیا ہے۔ اللہ کے علاوہ اور کوئی پیدا کرسکتا ہے اور نہ اس کائنات میں کسی چیز کا مالک ہے، وہی اکیلا کائنات کا انتظام چلا رہا ہے۔ رزق بھی وہی مہیا کرتا ہے۔ نیز آسمان سے بارش وہی نازل کرتا ہے۔ کھیتی وہی اُگاتا اور ہوا وہی چلاتا ہے۔ غرضیکہ ربوبیت کے جتنے لوازم ہیں، ان میں کسی ایک پہلو سے بھی انہیں انکار☆ نہیں تھا اور نہ ہی وہ ان تمام پہلوؤں میں کسی دوسرے الٰہ کو شریک کرتے تھے۔ اگر انہیں انکار تھا تو اس اقرار کے اس نتیجہ سے تھا جو اس اقرار کے بعد منطقی طور پر نکلتا ہے۔ اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ اگر کائنات میں تصرفِ اُمور کے جملہ اختیارات کا مالک اللہ ہے تو تمہارے ان معبودوں کے پاس حاجت روائی اور مشکل کشائی کے اختیارات کہاں سے آگئے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان سوال و جواب کے بعد لاحقہ کے طور پر ﴿أَفَلَا تَذَكَّرُونَ..... فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ..... فَأَنَّى تُصْرَفُونَ﴾ جیسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اور پوچھا ہے کہ اس اقرار کے بعد اس کے نتیجہ سے کیوں گریز کی راہیں اختیار کرنے لگتے ہو اور تمہاری مت کیوں ماری جاتی ہے۔ مثلاً ایک دانہ کی پیدائش کے لئے زمین، پانی، ہوا، سورج سب کو اس کی خدمت میں حصہ رسدی ادا کرنا پڑتا ہے اور یہ سب چیزیں میرے قبضہ قدرت

☆ جہاں تک ربوبیت کے اقرار کا تعلق ہے وہ تو نمرود اور فرعون جیسے سرکش کافروں نے بھی کرلیا تھا۔ دو ہی نبی ایسے ہیں جن کا مکالمہ اپنے وقت کے سرکش حکمرانوں سے ہوا اور جو قرآن میں مذکور ہے۔ پہلا حضرت ابراہیمؑ کا نمرود سے۔ دوسرا حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے۔ نمرود سے جب ابراہیمؑ نے کہا کہ ''اچھا میرے ربّ کا نظامِ کائنات اور تعریف یہ ہے کہ وہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، اگر تم میں بھی کچھ تصرف اور قدرت کا دعویٰ ہے تو تم اسے مغرب سے نکال کے دکھا دو''۔ تو اس بات کا وہ کیا جواب دیتا، اپنی شکست مان گیا۔ اور فرعون نے جب مناظرہ میں ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ کے الفاظ کہے تو یہ محض اس کا ایک الزامی اور ڈھٹائی کا جواب تھا ورنہ اس کا موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہنا کہ

﴿فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ﴾ (آیت ۵۳)

''تو اس کے لئے کیوں نہ سونے کے کنگن اُتارے گئے یا فرشتے صف بستہ اس کے ساتھ کچھ کیوں نہ آئے''

کچھ معنی نہیں رکھتا؟ اگر ربِّ اعلیٰ وہ خود ہی ہوتا تو فرشتوں کے ذکر کی کیا تک ہے؟ اس سے صاف واضح ہے کہ ربّ العالمین اور اس کے فرشتوں کا واضح تصور اس کے ذہن میں موجود تھا۔

میں ہیں تو پھر میرے بغیر کون تمہیں رزق مہیا کرسکتا یا داتا کہلا سکتا ہے؟

گویا ربوبیت کے پہلے مفہوم کے اقرار کے نتیجہ ہی کا نام 'الوہیت' ہے۔ پھر اگر ربّ تم ایک ہی مانتے ہو تو پھر تمہارے یہ معبود کدھر سے آ گئے؟ بس یہیں سے مخاصمت شروع ہو جاتی تھی۔

رہا ربوبیت کا دوسرا پہلو یعنی زندگی کے ہر گوشہ میں قانون بھی اسی اللہ کا رائج ہونا چاہئے تو یہ پہلو مخاصمت کے لحاظ سے پہلے سے بھی شدید تر تھا۔ معاشرہ میں اللہ کے عطا کردہ قانون کی فرمانروائی سے جس شخص، طبقہ، گروہ، یا ادارہ پر زد پڑتی تھی یا اسے اپنا اقتدار خطرہ میں نظر آتا یا اختیارات چھنتے نظر آتے تھے، وہ سب نبی کی مخالفت میں اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ گویا انبیا کی دعوت محض کلمہ توحید کے اقرار کا نام نہیں ہوتا بلکہ اقتدار و اختیار کی ایک مسلسل جنگ ہوتی ہے جو انبیاے کرام کی زندگی کو عمر بھر اجیرن بنا کے رکھ دیتی ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "أشد البلآء على الانبياء ثم الأمثل فالأمثل"

''سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر نازل ہوئے ہیں، پھر اس سے کم درجہ والوں پر، پھر اس سے کم درجہ والوں پر''

انبیا کی دعوت کا آغاز ہمیشہ فَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ سے ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی پوری پوری محکومی اور غلامی اختیار کرو اور اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ میری اطاعت کرو۔ گویا نبی تو معاشرہ میں صرف ایک اللہ کی حاکمیت کا قانون رائج کرنا چاہتا ہے۔ اب اس بات سے جس جس کے مفادات مجروح ہوتے ہیں یا جس کسی کو اپنا وقار، اختیار یا اقتدار خطرہ میں نظر آتا ہے وہ سب نبی کے خلاف ایکا کر کے درپے آزار ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ﴿ مَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا ﴾ یعنی سردار یا سرکاری درباری قسم کے لوگ ہی انبیاء کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اب جن لوگوں کا معاشرہ کے ایک مخصوص حلقہ میں حکم چلتا ہے، لوگ ان کی بات مانتے اور انہیں بڑا اور سردار سمجھتے ہیں، وہ کب یہ چاہتے ہیں کہ ایک تو اپنی اس سرداری سے دست بردار ہوں، دوسرے الٹا نبی کے مطیع بن جائیں!!

یہی حال ان لوگوں کا بھی ہوتا ہے جو محض نسلی تفوق کی بنا پر لوگوں میں ممتاز سمجھے جاتے ہیں اور ذات پات کی تمیز نے ان کو بلند مقام عطا کیا ہوتا ہے جس میں ان کا اپنا کچھ بھی دخل نہیں ہوتا۔ پھر جب کوئی نبی یہ کہتا ہے کہ سب انسان بحیثیت انسان ایک ہی سطح پر ہیں کیونکہ سب اللہ کی ایک جیسی مخلوق ہیں تو اونچی ذات والوں کو بھلا یہ بات کیونکر ٹھنڈی لگ سکتی ہے اور وہ اسے کیونکر برداشت کر سکتے ہیں کہ ایک قریشی اور ایک خزرجی، ایک برہمن اور ایک شودر، ایک چٹھہ اور ایک لوہار معاشرہ میں ایک جیسی نظر سے دیکھے جائیں؟

پھر یہی حال ایک آقا اور غلام، مالک اور مزدور، افسر اور ماتحت کا بھی ہے۔ نبی یہ کہتا ہے کہ یہ آقائی اور غلامی، افسری اور ماتحتی تو ایک اضطراری امر ہے کہ اس کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک آقا اپنے غلام کو، یا ایک مالک اپنے مزدور کو یا ایک افسر اپنے ماتحت کو اپنے سے حقیر سمجھنے لگے۔ عزتِ نفس کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔ آقا کو چاہئے کہ وہ اپنے غلام کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائے اور اس کے مفادات اور عزتِ نفس کا خیال رکھے۔ اللہ کا یہ قانونِ اخلاق تمام آقاؤں، مالکوں اور افسر قسم کے لوگوں کو نبی کا دشمن بنا دیتا ہے۔

رہے بادشاہ اور حکمران تو نبی کی دعوت کی زد سب سے زیادہ ان پر پڑتی ہے۔ نبی یہ کہتا ہے کہ اپنی خودمختاری چھوڑ کر اللہ کا قانون اپنی ذات پر بھی لاگو کرو اور لوگوں میں بھی رائج کرو۔ کیونکہ ہم سب اس کے ایک ہی جیسے بندے ہیں۔

دعوتِ توحید کے یہی وہ نمایاں پہلو ہیں جن کی وجہ سے بعض انبیا کو ناحق قتل یا مظلومانہ طور پر شہید کیا جاتا رہا۔ بعض کے سروں پر آرے چلائے جاتے رہے اور اس مقدس طبقہ انبیا نے اپنی جان کی قربانی پیش کردی لیکن توحید کے ان تقاضوں میں کسی قسم کی کوئی کسر برداشت نہ کی۔

اب دیکھئے کہ اگر صرف عقیدۂ توحید کے اقرار کی بات ہوتی تو مادّہ پرستوں اور دہریوں کے ایک قلیل طبقہ کے علاوہ ہر دور کے لوگ اس کا اقرار کرتے ہی رہے ہیں اور اگر یہ محض بتوں، دیوتاؤں کی پرستش اور پوجا پاٹ اور ان سے استمداد واعانت کی بات ہوتی تو اس پر سمجھوتہ ہوسکتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ مشرکین انبیا کی یہ بات بھی تسلیم کرلیتے کیونکہ یہ سب توہم پرستی کی بیماریاں ہیں اور ان کی عدم ادائیگی سے کسی کا کچھ نہیں بگڑتا مگر یہاں تو بات ہی اور تھی۔ انبیا یہ چاہتے تھے کہ اپنے تمدن، اخلاق، معاشرت اور سیاست میں بھی اللہ کے قانون کی حکمرانی ہو۔ جس کی براہِ راست ان کے وقار، رسم و رواج، اختیار اور اقتدار پر زد پڑتی تھی جس پر وہ لوگ انبیا کے دشمن بن جاتے تھے۔

أولیاء من دون اللہ کی ضرورت

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اگر دیوی دیوتاؤں، نبیوں اور اولیاؤں کی پرستش محض توہماتی بیماریاں ہیں۔ اگر فی الواقعہ ان چیزوں کی پوجا پاٹ، نذر ونیاز اور عزت وتکریم کا کچھ فائدہ نہیں۔ تو اس پر مشرکین اس قدر بضد کیوں ہوتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس عقیدہ کو مشرکین اپنی پناہ گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یعنی ہماری اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی زندگی میں جو کوتاہیاں اور خلا رہ جاتے ہیں، ان کے لئے ہمارے یہ الٰہ واولیا، اللہ کے ہاں سفارش کردیں گے۔ گویا وہ اپنی مرضی واختیارات اور رسوم و عادات سے دستبردار ہونا تو گوارا نہیں کرتے اور اس طرح جن گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے، اس کا حل شیطان نے انہیں بتلایا کہ کوئی وسیلہ تلاش کرلو جو اللہ سے سفارش کرکے تمہیں ایسے گناہوں کی عقوبت سے

بچالے۔ لہٰذا وہ دیوتاؤں اور اولیاؤں کے اس درمیانی رابطہ کو خوش رکھنے اور ان کے سامنے سرِ عجز و نیاز خم کرنے اور ان کی نذر و نیاز دینے پر عقیدۃً مجبور ہوتے ہیں۔ ان کے اسی عقیدہ کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس:۱۸) ''یہ مشرکین اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ تو ان کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں اور نہ ہی کچھ سنوار سکتی ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

انبیاء کی دعوت کی تعمیل کا آغاز نبی کی اپنی ذات سے ہوتا ہے اور اس دعوت کا مقصد چونکہ معاشرتی بگاڑ کی اصلاح ہوتا ہے لہٰذا اللہ کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ اس کی بعثت سے پہلے کی زندگی کو بھی معاشرتی خرابیوں سے محفوظ و مامون رکھا جائے۔ وہ اپنی بعثت سے پہلے کی زندگی میں بھی ایک راست گو اور راستباز انسان کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے ہوتا ہے۔ تاکہ جب وہ اس معاشرہ کے مسلمہ معتقدات کے خلاف لوگوں کو دعوت دے تو اس پر کذب و افترا کا الزام عائد نہ کیا جاسکے۔ پھر جب اس نبی کی دعوت کا آغاز ہوتا ہے تو اس پر صرف وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جو یا تو اس نبی کی راست گوئی اور راست بازی سے انتہائی متاثر ہوں، پھر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جو معاشرہ کی ناانصافیوں کی چکی میں پس رہے ہوں اور تمدنی یا معاشرتی لحاظ سے کمزور یا حقیر سمجھے جاتے ہوں اور پورے معاشرہ کی مخالفت بھی اپنے سر مول لینے کو تیار ہوجائیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد کم ہی ہوسکتی ہے!!

جادو کے موضوع پر ماہنامہ 'محدث' اور روزنامہ 'دِن' میں قسط وار چھپنے والے مضامین

شریر جادوگروں کا قلع قمع کرنے والی تلوار

مکمل ۸ حصے — قیمت 40 روپے

مکمل ترین صورت میں، کتابی شکل میں

خوبصورت کمپوزنگ — دیدہ زیب طباعت — چار رنگہ سرورق

☆ عربی زبان میں اس کتاب کے دسیوں ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ اردو میں آسان، سادہ اور رواں ترجمہ پہلی بار
☆ جادوگروں کی علامات، بچاؤ کی تدبیریں، مختلف جادوؤں کے توڑ صرف قرآن اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں
☆ آسان طرزِ تحریر..... ہر بات نکات وار..... جابجا مثالیں اور عملی نمونہ جات..... ہر بات بادلیل اور باحوالہ

دفتر ماہنامہ محدث + مکتبہ قدوسیہ + نعمانی کتب خانہ + اُردو بازار کے دینی کتب خانوں پر محدود تعداد میں دستیاب ہے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ۶۰ روپے ☆ ۳۰ رفروری تک ۳ سال کیلئے محدث جاری کرانے پر مُفت

محمد عطاء اللہ صدیقی

'ویلنٹائن ڈے' پر شرمناک طرزِ عمل

پاکستان میں مغرب کی تہذیبی یلغار کے تناظر میں ایک فکر انگیز تحریر

جنسی آوارگی، بیہودگی اور خرافات کو ذرائع ابلاغ کس طرح ایک 'مقدس تہوار' بنا دیتے ہیں، اس کی واضح مثال 'ویلنٹائن ڈے' ہے۔ یہ بہت پرانی بات نہیں ہے کہ یورپ میں بھی 'ویلنٹائن ڈے' کو آوارہ مزاج نوجوانوں کا عالمی دن سمجھا جاتا تھا، مگر آج اسے 'محبت کے متوالوں' کے لئے 'یومِ تجدیدِ محبت' کے طور پر منایا جانے لگا ہے۔ اب بھی یورپ اور امریکہ میں ایک کثیر تعداد 'ویلنٹائن ڈے' منانے کو برا سمجھتی ہے، مگر ذرائع ابلاغ ان کے خیالات کو منظر عام پر نہیں آنے دیتے۔ مغربی ذرائع ابلاغ اخلاقی نصب العین کے مقابلے میں ہمیشہ بے راہ روی کو فروغ دینے میں زیادہ دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں، شاید سطحی صارفیت کے تقاضے انہیں یہ پالیسی اپنانے پر مائل کرتے ہیں!!

پاکستان میں دیکھتے ہی دیکھتے جس طرح 'ویلنٹائن ڈے' مٹھی بھر اوباشوں کے حلقہ سے نکل کر جدید نوجوان نسل اور مغرب زدہ طبقات میں پذیرائی حاصل کر چکا ہے، اس کی توقع ایک اسلامی معاشرے میں نہیں کی جاسکتی۔ اس سال 'ویلنٹائن ڈے' کو جس وسیع پیمانے پر اخبارات اور ذرائع ابلاغ میں 'پروجیکشن' ملی اور جس والہانہ انداز میں مختلف اداروں نے اسے ایک 'ہردل عزیز تہوار' کا رنگ دینے کی کوشش کی، اس کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ پاکستانی معاشرہ اندر سے اس قدر کھوکھلا ہوگیا ہے کہ اعلیٰ ثقافتی قدروں کے تحفظ کے لئے وسیع پیمانے پر تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔

اس دفعہ پاکستان میں ویلنٹائن ڈے پر بے ہودگی کے سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گئے ہیں۔ ۱۵ر فروری کو مختلف اخبارات نے بے حد رومانوی انداز میں ویلنٹائن ڈے کی رپورٹنگ کی۔ روزنامہ 'جنگ' کے مطابق:

> ''صبح سے رات گئے پھولوں کا سفر جاری رہا۔ گل فروشوں کی چاندی رہی اور پھولوں کی دکانوں پر رَش رہا۔ آج سرخ گلاب نہ ملنے پر دوسرے رنگوں کے گلاب خرید کر چاہے جانے والوں کو بھجوائے جاتے رہے۔ گل دستے ۱۰۰ روپے سے ۵۰۰ روپے تک بکتے رہے۔ رات کو بعض بڑے ہوٹلوں نے 'ویلنٹائن ڈنر' کا بھی اہتمام کیا۔''

یہ ایک نئی بدعت تھی جو اس سال دیکھنے میں آئی۔ نوائے وقت جیسے سنجیدہ اخبار نے بھی سرخی جمائی:

> ''ویلنٹائن ڈے' وفا کے عہد و پیمان، روٹھوں کو منانا گیا۔''

مزید تفصیلات کے مطابق گلاب کے پھول، کارڈز اور دیگر تحائف کے تبادلے ہوئے، موبائل فونز پر پیغامات دیئے گئے۔ انٹرنیٹ کلبوں پر رش رہا۔ نوائے وقت کی خبر کے مطابق ویلنٹائن ڈے منانے کے لئے ایک نوجوان شیخوپورہ کے گرلز کالج میں لڑکیوں کے کپڑے اور برقعہ پہن کر داخل ہوگیا۔ معلوم ہونے پر کالج کے سٹاف اور طالبات نے اس کی خوب چھترول کی اور پولیس کے حوالہ کردیا۔ پولیس نے بھی اس کی خوب تواضع کی۔ لاہور میں ایک گرلز ہائی سکول کی طالبہ کو پھول پیش کرنے والے ایک نوجوان طالب علم کا منہ کالا کرکے گدھے پر بٹھا کر پورے محلّہ کا چکر لگوایا گیا۔ پرائیویٹ انگلش میڈیم سکولوں میں ویلنٹائن ڈے جوش وخروش سے منایا گیا۔

اس سال جنرل سٹوروں اور کتابوں کی دکانوں پر 'ویلنٹائن کارڈ' اس طرح فروخت ہوتے رہے جس طرح عید کارڈ فروخت ہوتے ہیں۔ ان سٹوروں پر 'کیوپڈ' کے بڑے بڑے نشانات سرعام آویزاں کئے گئے تھے۔ ماڈل ٹاؤن، ڈیفنس اور گلبرگ، لاہور کی بات تو الگ ہے۔ شہر کے چھوٹے چھوٹے محلات میں سرخ گلاب فروخت ہوتے رہے اور نوجوانوں کی ٹولیاں دن بھر پھول خریدتی رہیں اور انہیں کوئی سمجھانے والا نہیں تھا کہ جس بات کو وہ 'محبت' سمجھ کر منا رہے ہیں، وہ درحقیقت شہوت رانی اور جنسی بے راہ روی کی علامت ہے، اس کا ان کی سماجی روایات اور اخلاقی قدروں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ انگلش میڈیم سکولوں میں طلباء و طالبات اساتذہ کی 'رہنمائی' میں بلا روک ٹوک گلاب کے پھولوں کا تبادلہ کرتے رہے۔ لبرٹی مارکیٹ اور دیگر پوش علاقوں میں اوباش نوجوان راہ چلتی لڑکیوں کو پھول پیش کرکے چھیڑ خانی کرتے رہے، شریف زادیاں اس بداخلاقی کا جواب دینے کی بجائے عزت بچا کر وہاں سے بچ نکلنے میں عافیت سمجھتی رہیں۔

ہمارے بعض انگریزی اخبارات نے ویلنٹائن ڈے کو تشہیر دینے میں جس طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا، اسے نرم ترین الفاظ میں 'شرمناک' کہا جاسکتا ہے۔ ان اخبارات نے عاشقوں اور حیا باختہ لڑکیوں کے رومان انگیز پیغامات کو اشتہارات کی صورت میں شائع کیا۔ انگریزی روزنامہ 'دی نیوز' نے ان پیغامات پر مبنی دو مکمل صفحات شائع کئے۔ ان دو صفحات پر ۴۱۹ پیغامات شائع کئے گئے۔ روزنامہ 'ڈان' نے ۱۴ رفروری کو دو صفحات مختص کئے جس میں ایسے بے ہودہ پیغامات شائع کئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے، ہمارے انگریزی اخبارات کسی ضابطہ اخلاق کے پابند نہیں، نہ انہیں اس ملک کی نظریاتی اساس اور سماجی اقدار کا خیال ہے۔ وہ اس ملک میں انگریزی زبان ہی نہیں، مغربی تہذیب کا پرچار بھی کررہے ہیں۔

۲۶ رفروری کو روزنامہ 'نوائے وقت' نے نمایاں خبر شائع کی کہ جہادی تنظیموں کی طرف سے نکالے جانے والے ۲۳ رسالہ جات پر حکومت پابندی لگانے کا فیصلہ کرچکی ہے کیونکہ وہ جہادی تبلیغ کررہے ہیں، مگر جنسی بے راہ روی کو فروغ دینے والے ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے پیغامات کو شائع کرنے کی اس

ملک میں مکمل آزادی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کوئی لڑکا کسی لڑکی سے عشق کے معاملے کو حتیٰ الامکان ظاہر نہیں کرتا تھا کیونکہ اس طرح کا اظہار سخت معیوب سمجھا جاتا تھا اور ایسی حرکت کے مرتکب نوجوانوں کی خوب درگت بنائی جاتی تھی، مگر آج یہ برا وقت بھی آ گیا ہے کہ ہمارے اخبارات ایک 'نائکہ' کا پست کردار ادا کرتے ہوئے عاشق ومعشوق کے درمیان پیغام رسانی کا فریضہ انجام دینے میں کوئی باک نہیں سمجھتے بلکہ اسے محبت کرنے والے دلوں کی 'خدمات' سمجھتے ہیں۔ اخبارات کی طرف سے عشقیہ پیغامات کی اشاعت پاکستان میں اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ یورپ کے اخبارات نے یہ جدت نکالی تھی جس کو بلاچون و چرا ہمارے اخبارات نے اپنا لیا ہے۔ اس دفعہ تو یہ سلسلہ دو تین انگریزی اخبارات تک محدود رہا ہے، اگلے سال اردو اخبارات بھی شائد اس 'کارِ خیر' میں پیچھے نہ رہیں۔

اسلام کے نام پر بننے والی اس مملکتِ خداداد میں لادینیت اور جنسی بداعتدالیوں کو کس طرح تیزی سے پروان چڑھایا جارہا ہے، اس کا اندازہ پاکستان کے عام شہری نہیں کر پارہے۔ جن لوگوں کو اس کا اندازہ ہے، وہ بھی اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے ہیں۔ انگریزی اخبارات جن میں عشقیہ پیغامات کے لئے مکمل صفحے مختص کئے گئے، ان میں بازاری جملوں اور فلمی مکالموں کو شائع کیا گیا جن کے سرسری مطالعے سے بھی نوجوان نسل کے غلط رجحانات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قارئین کرام! محبت کے پیغامات بھیجنے والی یہ لڑکیاں اور لڑکے اسی پاکستانی معاشرے کے فرد ہیں۔ یہ مسلمان گھرانوں کی اولاد ہیں، یہودی یا عیسائی نہیں ہیں۔ مگر وہ جس جنون اور پاگل پن کا شکار ہیں، کیا ایک مسلمان گھرانے سے تعلق رکھنے والے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا 'کنڈکٹ' (کردار) یہی ہونا چاہئے؟ اگر وہ گم کردہ راہ ہیں، تو اس کی ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ حکومت، تعلیمی ادارے، ذرائع ابلاغ، اساتذہ اور والدین، سب اپنی اپنی جگہ پر اس قومی 'جرم' کے مرتکب ہوئے ہیں۔ آج اس ملک میں ویلنٹائن ڈے پر شہوت بھرے پیغامات کا آزادانہ تبادلہ ہورہا ہے تو کل اسی پاکستان میں شہوانی تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کی نسل بھی ضرور پروان چڑھے گی۔ یورپ یہ نتائج دیکھ چکا ہے، ہم بھی اس عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ یورپ میں بھی یہ سب کچھ ایک سال میں نہیں ہوگیا تھا، ان کے ہاں بھی خاندانی نظام کی تباہی اور جنسی انقلاب آہستہ آہستہ وقوع پذیر ہوا۔ یورپ کے دانشور خاندانی نظام کی بحالی کی دہائی دے رہے ہیں، مگر اب پانی ان کے سروں سے گذر چکا ہے۔ ہمارے ہاں اس وقت محض ایک قلیل تعداد اس خطرناک اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہوئی ہے، ہماری آبادی کی اکثریت اس آگ کی تپش سے اب تک محفوظ ہے۔ ابھی وقت ہے کہ آگے بڑھ کر چند جھاڑیوں کو لگی آگ کو بجھا دیا جائے، ورنہ یہ پورے جنگل کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی.....!!

ذرائع ابلاغ پر چھایا ہوا ایک مخصوص گروہ ویلنٹائن ڈے کو 'یوم تجدیدِ محبت' کے طور پر پیش کررہا ہے۔

یہ 'محبت' جو ماضی قریب تک ایک 'محبوبہ' سے منسوب کی جاتی تھی، اب اسے 'عام' کیا جارہا ہے۔ پاکستان میں ایک سازش کے تحت ویلنٹائن ڈے جیسی واہیات تقریبات کو رواج دیا جارہا ہے۔ ۱۵؍فروری کے اخبارات میں ایک نقاب پوش خاتون کی تصویر شائع ہوئی جسے اسلام آباد کے کسی پھولوں کے سٹال سے گلاب کے پھول خریدتے دکھایا گیا ہے۔ خاتون نے بادامی رنگ کا برقعہ لے رکھا ہے۔ یہ تصویر انگریزی روزنامہ دی نیوز کے علاوہ 'جنگ'، 'نوائے وقت' اور 'انصاف' میں بھی شائع ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص ایجنسی نے کسی کرائے کی عورت کو برقعہ پہنا کر اسے ویلنٹائن ڈے پر پھول خریدتے دکھایا ہے۔ اس کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگوں میں یہ تاثر پیدا کیا جائے کہ ویلنٹائن ڈے منانا کوئی بری بات نہیں ہے، اب تو پردہ پوش خواتین بھی یہ دن منانے لگی ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں یہودی خبر رساں ایجنسیاں اس طرح کی حرکات کرتی رہتی ہیں۔

ہمارے اخبارات کے کلچرل رپورٹروں نے رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لئے 'ویلنٹائن ڈے' کا اس مرتبہ ایسا پس منظر بیان کیا ہے جو ہمیں چند معروف انسائیکلو پیڈیا میں نظر نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے اسطرح کی موضوع روایات کو خود گھڑ لیا ہے اور اسے پھیلا دیا ہے۔ 'جنگ' کے فلمی رپورٹر عاشق چودھری نے ۱۳؍فروری کے کالم میں اس نام نہاد تہوار کا پس منظر بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے مختلف روایات ہیں۔ سب سے مستند روایت یہ ہے کہ اس دن کا آغاز رومن سینٹ ویلنٹائن کی مناسبت سے ہوا جسے 'محبت کا دیوتا' بھی کہتے ہیں۔ اس روایت کے مطابق ویلنٹائن کو مذہب تبدیل نہ کرنے کے جرم میں پہلے قید میں رکھا گیا، پھر سولی پر چڑھا دیا گیا۔ قید کے دوران ویلنٹائن کو جیلر کی بیٹی سے محبت ہوگئی۔ سولی پر چڑھائے جانے سے پہلے اس نے جیلر کی بیٹی کے نام ایک الوداعی محبت نامہ چھوڑا جس پر دستخط سے پہلے لکھا تھا: ''تمہارا ویلنٹائن'' ..... یہ واقعہ ۱۴؍فروری ۲۷۹ء کو وقوع پذیر ہوا۔ اس کی یاد میں انہوں نے ۱۴؍فروری کو یومِ تجدیدِ محبت منانا شروع کردیا۔''

۱۴؍فروری ۲۰۰۲ء کے روزنامہ پاکستان میں بھی صفحہ اوّل پر بالکل یہی واقعہ بیان کیا گیا ہے مگر اس کا حوالہ بیان نہیں کیا گیا۔ انگریزی روزنامہ 'دی نیشن' کے رپورٹر نے ۱۴؍فروری کی اشاعت میں بالکل الگ کہانی بیان کی ہے۔ اس کے مطابق

''جب سلطنتِ روما میں جنگوں کا آغاز ہوا تو شادی شدہ مرد اپنے خاندانوں کو چھوڑ کر جنگوں میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے۔ نوجوان بھی اپنی محبوباؤں کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ جنگوں کے لئے کم افراد کی دستیابی کی وجہ سے شہنشاہ کلاڈیس (Claudius) نے حکم دیا کہ مزید کوئی شادی یا منگنی نہیں ہونی چاہئے۔ ویلنٹائن نامی ایک پادری نے اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خفیہ طریقہ سے شادیوں کا اہتمام کیا۔ جب شہنشاہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے ویلنٹائن کو قید کردیا جہاں

اس نے نوجوان عاشقوں کے لئے کیا تھا، اسے بعد ازاں یاد رکھا گیا اور آج اسی نسبت سے ویلنٹائن ڈے منایا جاتا ہے۔''

یہ دونوں کہانیاں رومانوی افسانویت کے طبع زاد شاہکار معلوم ہوتی ہیں۔

مندرجہ بالا حوالوں سے قطع نظر 'برٹانیکا' میں ویلنٹائن ڈے کا پس منظر مختلف انداز میں ملتا ہے:

''سینٹ ویلنٹائن ڈے کو آج کل جس طرح "Lovers Festival" کے طور پر منایا جاتا ہے یا ویلنٹائن کارڈز بھیجنے کی جو نئی روایت چل نکلی ہے، اس کا سینٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق یا تو رومیوں کے دیوتا لوپر کالیا کے حوالہ سے ۱۴ر فروری کو منائے جانے والے تہوارِ بارآوری یا پرندوں کے موسم اختلاط (Mating season) سے ہے۔'' (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

۱۹۹۷ء میں شائع ہونے والے انسائیکلو پیڈیا آف کیتھولک ازم (Catholicism) کے بیان کے مطابق سینٹ ویلنٹائن کا اس دن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل بیان ملاحظہ کیجئے:

''ویلنٹائن نام کے دو مسیحی اولیا (Saints) کا نام ملتا ہے۔ ان میں سے ایک کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ روم کا ایک پادری تھا جسے رومی دیوتاؤں کی پوجا سے انکار کرنے پر ۲۶۹ء میں شہنشاہ کلاڈئیس II (Cladius-II) کے حکم پر موت کی سزا دی گئی۔ دوسرا طرنی (Terni) کا ایک بشپ تھا جس کو لوگوں کو شفا بخشنے کی روحانی طاقت حاصل تھی۔ اسے اس سے بھی کئی سال پہلے 'شہید' کر دیا گیا تھا..... آیا کہ ایک سینٹ ویلنٹائن تھا یا اس نام کے دو افراد تھے؟ یہ ابھی تک ایک کھلا ہوا سوال ہے۔ البتہ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ ان دونوں کا محبت کرنے والے جوڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محبت کے پیغامات یا تحائف بھیجنے کا رواج بعد میں غالباً ازمنہ وسطیٰ میں اس خیال کے تحت شروع ہوا کہ ۱۴ر فروری پرندوں کی جنسی مواصلت کا دن ہے۔ مسیحی کیلنڈر میں یہ دن کسی سینٹ کی یاد میں تہوار کے طور پر نہیں منایا جاتا۔''

(The Harper Lollins Encyclopeadia of Catholicism: p.1294)

ویلنٹائن ڈے جیسے تہواروں کی تردید میں اس طرح کے تاریخی حوالہ جات کی ضرورت بھی نہیں ہونی چاہئے۔ مگر وہ لوگ جن کے ذہنوں میں ہوسنا کی کے جذبات کے تحت پروان چڑھی ہوئی رومانویت نے ڈیرے جما رکھے ہیں، ان کی اطلاع کے لئے یہ وضاحت ضروری سمجھی گئی۔ فرض کیجئے مسیحی یورپ یا روم کی تاریخ میں ویلنٹائن نام کے کوئی 'شہیدِ محبت' گذرے بھی ہیں، تب بھی ہمارے لئے ایسے تہواروں کو منانا نرم ترین الفاظ میں ایک شرم ناک ثقافتی مظاہرہ ہوگا۔ امریکہ اور یورپ کے لغو جنس پرستوں کے ساتھ کندھا ملا کر چلنا ہمارے لئے کوئی باعثِ اعزاز امر نہیں ہے۔ ہمارا دین اور ہماری تہذیب اس گراوٹ سے ہمیں بہت بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔

اسلامی اخلاقیات اور ہندو تہذیب وتمدن کا کوئی مقابلہ نہیں ہے، مگر قومی ہزیمت کے شدید احساس

کے ساتھ میں یہ سطور لکھنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں کہ ویلنٹائن ڈے کے خلاف بھارت کی ہندو انتہا پسند تنظیموں نے جتنا ردِعمل ظاہر کیا ہے، پاکستان کی دینی اور سیاسی جماعتوں کو اتنی بھی توفیق نہیں ملی۔ ہندو قوم پرست تنظیم شیوسینا نے لوگوں کو ویلنٹائن ڈے منانے سے باز رکھنے کے لئے دھمکی اور ترغیب دونوں طرح کی حکمتِ عملی اختیار کی۔ شیوسینا کے کارکنوں نے ویلنٹائن ڈے کے خلاف احتجاج کے انوکھے طریقے بھی آزمائے۔ ۱۳؍فروری کے روزنامہ 'جنگ' اور دیگر اخبارات میں شیوسینا کے کارکنوں کی ایک تصویر شائع ہوئی جس میں وہ اپنے چہروں پر کالک لگا کر ویلنٹائن ڈے کے خلاف مظاہرہ کررہے ہیں۔ اسی دن شیوسینا کے لیڈروں کے بیانات شائع ہوئے جس میں انہوں نے دھمکی دی کہ وہ ویلنٹائن ڈے کی تقریبات کو اُلٹا دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ویلنٹائن ڈے منانا فحاشی اور ہندو تہذیب واخلاقیات کے خلاف ہے۔ شیوسینا پارٹی دہلی کے سربراہ بھگوان گوئل نے کہا کہ ہم ۱۴ فروری کو دِلّی کے کالجوں، کارڈز شاپس اور گفٹ سنٹروں میں جائیں گے اور ہر قسم کا احتجاج کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ اس موقع پر ویلنٹائن ڈے کارڈز نذرِ آتش کئے جائیں گے۔ بال ٹھاکرے جو شیوسینا کے سربراہ ہیں، پاکستان کے خلاف اشتعال انگیز بیانات کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے بمبئی میں کہا کہ ویلنٹائن ڈے کرپشن کلچر ہے جو مغربی ممالک سے درآمد کیا گیا۔ انہوں نے شیوسینا کے نوجوانوں کو ہدایت کی کہ وہ یہ دن منانے کی روک تھام کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ انہوں نے کہا کہ یہ مغرب کا فرض نہیں کہ وہ ہمیں بتائے کہ محبت کس طرح کرنی ہے۔ (روزنامہ جنگ)

شیوسینا اور دیگر انتہا پسند تنظیموں کی طرف سے اس ردِعمل کی وجہ سے بمبئی، دہلی اور بھارت کے دیگر شہروں میں ویلنٹائن ڈے اس جوش وخروش سے نہیں منایا جاسکا جس کا مظاہرہ لاہور، کراچی یا اسلام آباد میں کیا گیا۔ شیوسینا کے حوالہ سے ایک اور تصویر کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ۱۵؍فروری کو پاکستان کے اردو اخبارات میں ایک تصویر شائع ہوئی جس میں دہلی میں شیوسینا کے کارکن ویلنٹائن ڈے کے موقع پر ایک خاتون کو ویلنٹائن ڈے کے خلاف پمفلٹ دے رہے ہیں۔ اس خاتون نے ہاتھوں میں پھولوں کا تازہ خریدا ہوا گلدستہ تھام رکھا ہے۔ (روزنامہ پاکستان) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیوسینا کے کارکنوں نے اس بے ہودہ تہوار کی مخالفت میں محض تشدد ہی نہیں، دلیل کا سہارا بھی لیا۔

مغرب کی طرف سے درآمد کردہ ویلنٹائن ڈے جیسے فحش انگیز، بے ہودہ تہوار ترقی پذیر بالخصوص اسلامی ممالک کی تہذیب وثقافت کے لئے سنگین خطرات پیدا کررہے ہیں۔ یہ مغرب کی ثقافتی استعماریت جسے 'گلوبلائزیشن' کا خوبصورت نام دیا گیا ہے، کو آگے بڑھانے کا ذریعہ ہیں۔ مغربی میڈیا اور انٹرنیٹ کی یلغار کی وجہ سے سعودی عرب جیسے کٹر اسلام پسند معاشرے بھی اپنی ثقافتی سرحدوں کو غیر محفوظ محسوس کررہے ہیں۔ اس سال سعودی عرب کی حکومت کو ویلنٹائن ڈے کی لعنت کی حوصلہ شکنی کرنے کے لئے سخت

اقدامات اٹھانے پڑے۔ تین روز قبل ہی دکانوں اور مارکیٹوں میں سرخ گلاب، ٹیڈی بیئر اور ویلنٹائن کارڈز کی فروخت پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ ۱۳؍فروری کو سعودی پولیس نے مختلف دکانوں پر چھاپے مار کر ویلنٹائن گفٹ فروخت کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی۔ (پاکستان: ۱۴؍فروری)

البتہ عراق کے سیکولر صدر صدام حسین نے عراق پر ممکنہ امریکی حملہ کے باوجود عراقی قوم کو ویلنٹائن ڈے منانے میں مصروف رکھا۔ عراقی میڈیا نے یہ پراپیگنڈہ بھی کیا کہ عراقی عوام اس برس ویلنٹائن ڈے میں زیادہ دلچسپی اس لئے لے رہے ہیں کیونکہ وہ دنیا کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہاں زندگی معمول کے مطابق ہے اور امریکی دھمکیوں کا عوام پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ (پاکستان) الحاد پرست حکمران کسی قوم کو جہاد کے لئے تیار نہیں کر سکتے۔ اس طرح کی 'کھوکھلی زندہ دلی' کے اظہار سے کوئی قوم اپنا دفاع نہیں کر سکتی!!

پاکستانی معاشرے پر اس وقت ایک وحشت انگیز بے حسی اور بے بسی کی کیفیت طاری ہے۔ ایک عام پاکستانی اپنی آنکھوں سے اسلامی اقدار کا جنازہ نکلتے دیکھ رہا ہے۔ مگر وہ آگے بڑھ کر کچھ کر سکنے کی ہمت نہیں پاتا۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے، ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر مٹتی قدروں کے متعلق نوحہ خوانی تو ضرور کرتا ہے، مگر گلی سے باہر نکل کر اپنے دل کی بات کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ یا یہ وقت تھا کہ اسلامی حمیت سے سرشار نوجوان سینما گھروں اور نیو ایئر نائٹ منانے والے کلبوں کو بزورِ بازو ایسے کاموں سے روکتے تھے یا اب یہ صورت پیدا ہو چکی ہے کہ ویلنٹائن ڈے پر کھلے عام بے ہودگی کے خلاف معمولی سی صدائے احتجاج بلند کرنے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا۔ ہمارے خیال میں نہ پہلی صورت درست تھی اور نہ مؤخر الذکر حالت پسندیدہ ہے۔

پاکستان میں سیکولر اور اسلام پسند دونوں حلقوں نے افغانستان میں 'امریکہ گردی' کے غلط اثرات قبول کئے ہیں۔ سیکولر طبقہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اب پاکستان میں وہ جس قدر مغربی اقدار کو فروغ دے گا، اس کی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ جہادی تنظیموں کے خلاف کریک ڈاؤن کا اسلام پسند حلقوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت بھی نہیں دی جا سکتی۔ ایک اور غلط تاثر کو ختم کرنا بھی ضروری ہے۔ پاکستان میں لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی ثقافت اور پاکستانی اقدار کا تحفظ محض دینی جماعتوں کی ذمہ داری ہے۔ حالانکہ ہر مسلمان خواہ اس کا کسی بھی سیاسی جماعت یا طبقہ سے تعلق ہو، کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ثقافت کے تحفظ کے لئے مقدور بھر کوشش کرے۔ ہمارے اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ طالب علموں میں اسلامی اقدار کے متعلق محبت کے جذبات پروان چڑھائیں۔ ہم میں سے ہر شہری اگر اپنے محلے میں دعوت و ترغیب کا عمل شروع کر دے، تو یہاں ویلنٹائن ڈے منانے والے یوں دندناتے نظر نہیں آئیں گے۔ حکومت کو بھی نوجوانوں کو لہو و لعب اور جنسی بے راہ روی سے بچانے کے لئے مؤثر اقدامات کرنے چاہئیں۔ ویلنٹائن ڈے کے موقع پر گلاب کے پھول اور کارڈز کی خرید و فروخت

پر پابند عائد کی جانی چاہئے۔ اخبارات میں ویلنٹائن اور کیوپڈ کے نشانات کے ساتھ اشتہارات اور پیغامات کی اشاعت ممنوع قرار دینی چاہئے۔

امریکہ اور برطانیہ میں شراب عام پی جاتی ہے، مگر ۱۸ سال سے کم عمر نوجوانوں کو شراب اور سگریٹ خریدنے کی اجازت ہے، نہ دکاندار انہیں یہ اشیا فروخت کر سکتے ہیں۔ امریکہ میں بعض ریاستوں نے شام کے بعد نوجوانوں کے گھر سے نکلنے پر پابندی عائد کر رکھی ہے، حالانکہ وہاں ہر طرح کی آزادیاں میسر ہیں۔ پاکستان کے سابق چیف جسٹس سجاد علی شاہ نے بالکل درست کہا ہے کہ

''مغرب سے گہری وابستگی اور قربت کے طوفان کو نہ روکا گیا تو مغربی فضولیات ہماری معاشرتی اقدار کو بہا لے جائیں گی۔ ویلنٹائن ڈے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انگریزی تہذیب کے ایام ہماری نئی نسل کے کردار کو مسخ کر دیں گے۔ اس حوالے سے نئی نسل کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ مغرب اسلام سے چونکہ بہت خائف ہے، اسی لئے وہ ہمارے معاشرے میں ایسے تہواروں کو فروغ دے رہا ہے۔'' (روزنامہ خبریں: ۱۵ر فروری ۲۰۰۲ء)

ابھی چند روز پہلے صدرِ پاکستان جناب پرویز مشرف نے مغربیت کے خطرناک اثرات سے بچنے کی تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

''مغربی طرزِ زندگی ہماری اقدار سے متصادم ہے۔ میں پاکستان کو اعتدال، رواداری، جمہوریت اور ترقی کی راہ پر لے جانا چاہتا ہوں، مغربیت (ویسٹرنائزیشن) کی راہ پر نہیں جو ہماری اقدار سے متصادم ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ پاکستان اپنی اقدار کے منافی روایات اپنا کر مغرب کی پیروی کرے۔ انہوں نے صوبائی حکومتوں کو ہدایت کی کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ ملک کی سماجی اور ثقافتی اقدار کا احترام ہو۔'' (جنگ، خبریں: ۲۸ر فروری ۲۰۰۲ء)

ویلنٹائن جیسے تہواروں کی حوصلہ شکنی بلکہ بیخ کنی کے لئے حکومت پاکستان کو بھرپور اقدامات کرنے چاہئیں۔ عوام کی بے ضرر تفریحی تقریبات میں حکومت کو مداخلت نہیں کرنی چاہئے، مگر ایسی بے ہودہ سرگرمیاں جو اسلامی اخلاقیات کا جنازہ نکال دیں، ان کے متعلق حکومت کو خاموش تماشائی کا کردار ادا نہیں کرنا چاہئے۔

ایک مغرب زدہ اقلیت پاکستانی معاشرے کو اخلاقی زوال سے دوچار کرنے پر تلی ہوئی ہے تو حکومت اور عوام کو ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے سنجیدہ کاوش کرنی چاہئے۔ قرآنِ مجید سراسر ہدایت اور روشنی ہے، اس میں بار بار راہِ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے: ﴿فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ﴾ یعنی تم صراطِ مستقیم چھوڑ کر کدھر بھٹکے جا رہے ہو؟

ویلنٹائن ڈے منانے والے مسلمانوں کو قرآنِ مجید کے ان الفاظ پر غور کرنا چاہئے۔ ☆

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفیؒ

جن لوگوں نے دنیا میں علمی، دینی، ملی اور سیاسی کارنامے انجام دیئے۔ ان کا نام تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لئے رقم ہوجاتا ہے اور ان کی یاد دلوں سے محو نہیں ہوتی اور جب ایسے لوگ دنیا سے رِحلت کرجاتے ہیں تو لوگ ان کی یاد میں آنسو بہاتے ہیں اور ان کے کارناموں کو مجلسوں اور محفلوں میں بیان کرتے اور انہیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں مشہور ادیب اور صاحبِ قلم جناب نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

''آدمی کا مرنا اس آسمان کے نیچے کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، کوئی اچنبے کی بات نہیں۔ بچے مرتے ہیں، جوان مرتے ہیں اور بوڑھے مرتے ہیں۔ موت ہر شہر، قصبے اور گاؤں میں ہر آن زندگی کے ہاتھوں سے خراج وصول کرتی ملتی ہے ؎ گلشن ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت۔ لیکن کئی طرح کے جینے والے اور کئی قسموں کے مرنے والے ہیں۔ زندگی کے ڈھنگ ہی گونا گوں ہیں اور موت کے انداز بھی رنگا رنگ ہیں۔ ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جو زمانے سے زندگی کی بھیک مانگتے ہیں اور بھیک مانگتے ختم ہوجاتے ہیں۔ جو زمانے سے لڑتے لڑتے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندگی گزارتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو اس شان سے مرتے ہیں کہ زندہ تر ہوجاتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح مرتے ہیں اور تاریخ کا کارواں انہیں نظر انداز کرکے آگے بڑھ جاتا ہے۔ دوسری قسم کے لوگ اپنے نفس کو تلوار بنا کر کسی اصول و مقصد کے لئے جہاد کرتے ہیں۔ قوتوں کا سارا خزانہ نچوڑ دینے کے بعد سقراط کی طرح موت کے زہر کا پیالہ ہنستے مسکراتے پیتے ہیں اور سچائی کے محاذ پر دم توڑتے ہیں۔ تاریخ ان کے کارناموں کی میراث دامن میں سمیٹتی ہے۔ ان کی عظیم روحوں کے مزار اپنے سینوں میں بناتی ہے اور ان کی یادوں کے داغ دل میں لئے وقت کی وادیوں میں ارتقا کے مراحل طے کرتی ہے اور داغوں کے یہ دیے قیامت تک اُجالا کرتے ہیں۔''

پروفیسر رشید احمد صدیقی اپنی کتاب 'گنج ہائے گراں مایہ' میں لکھتے ہیں:

''موت سے کسی کو مفر نہیں لیکن جو لوگ ملی مقاصد کی تائید وحصول میں تادمِ آخر کام کرتے رہتے ہیں، وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پائیں۔ ان کی وفات قبل از وقت اور تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے۔''

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی پر یہ جملہ مکمل طور پر صادق آتا ہے جنہوں نے ۲۰ر فروری ۱۹۶۸ء کو گوجرانوالہ میں انتقال کیا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی اپنے دم میں ایک عہد تھے۔ وہ اپنی ذات سے خود ایک

انجمن اور ادارہ تھے۔ مرحوم ملتِ بیضا کی شمع تھے۔ ان کے رخصت ہونے سے ایک روشن چراغ گل ہوا اور اندھیرا بڑھ گیا۔ ان کے دم قدم سے دنیائے علم وادب میں جو رونق تھی، وہ سونی پڑ گئی۔

علم وفضل: مولانا محمد اسمٰعیل سلفی علومِ اسلامیہ کا بحر ذخار تھے۔ تمام علوم یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اُصول فقہ، تاریخ وسیر، اسماء الرجال، ادب ونعت میں یکتا تھے۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایۂ علم تھا۔ تفسیر وحدیث اور فقہ وتاریخ پر ان کا مطالعہ گہرا تھا۔ عربی ادب کا بڑا ستھرا اور عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ وہ ایک جید عالم دین، فقیہ، مصنف اور مدرّس وخطیب تھے۔

ذاتی خصوصیات: مولانا سلفی مرحوم قدرت کی طرف سے بڑے اچھے دل ودماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ ذہن وذکاوت کے ساتھ قوتِ حافظہ بھی قوی تھا۔ جو کتاب ایک دفعہ نظر سے گزر گئی، حافظہ میں محفوظ ہوجاتی تھی۔ مطالعہ کے بہت زیادہ شوقین تھے۔ مرحوم نے ٹھوس اور تحقیقی مطالعہ کا ذوق اپنے استاد مولانا سید عبدالغفور غزنویؒ سے پایا تھا۔

مولانا سلفیؒ تحریر وتقریر کے میدان کے کامیاب شہسوار تھے۔ زبان وقلم میں بلا کی شگفتگی ودلآویزی تھی۔ آپ کی تقریروں میں علم وروحانیت، فکر وبصیرت اور تحقیق وکاوش کے جوہروں کے ساتھ ساتھ ادب کی چاشنی اور اُسلوب کی دلآویزی چمکتی اور دمکتی نظر آتی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ مولانا سلفی مرحوم کو قدرت نے نثر نگاری کا جتنا صاف ستھرا ذوق دیا تھا، اس کی مثال ان کے دور کے علما میں کم ہی نظر آتی ہے۔

مولانا سلفی مرحوم ایک کامیاب مدرّس بھی تھے۔ بلا شبہ تاریخ میں ایسے بے لوث، تعمیر پسند اور دوسروں کو ہر قدم اور ہر موڑ پر سہارا دینے والے کم ہی لوگ نظر آتے ہیں۔ نہ جانے ان کے کتنے شاگرد ہیں جو ان کی حوصلہ افزائی اور تعاون کی بدولت صاحبِ قلم، صاحبِ تصنیف اور علمی وادبی دنیا میں شہرت وعظمت کے حامل ہوگئے۔[1]

اخلاق وعادات

مولانا سلفی مرحوم ایک کریم النفس اور شریف الطبع انسان تھے۔ اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھتے تھے۔ دوستوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ ان کی راحت وتکلیف کا خیال رکھتے۔ وہ بہت زیادہ خوددار بھی تھے۔ عفاف اور استغنا کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ طبیعت میں قناعت تھی۔ جاہ وریاست کے طالب نہ تھے۔ کریمانہ اخلاق اور ستودہ صفات کے حامل تھے۔

مولانا سلفی مرحوم اصلی معنوں میں انسانی اُخوت اور خدمتِ خلق کا بہترین مجسمہ اور نکھرا ہوا نمونہ تھے۔ ان کی عظمت کا سب سے جدا اور منفرد پہلو یہ تھا کہ ان سے گفتگو کرتے وقت متکلم کو اپنی بڑائی اور

عظمت کا احساس ہونے لگتا تھا۔ وہ ہر ایک سے محبت سے ملتے۔ سب کا دکھ درد سنتے اور اپنی استطاعت کی حد تک پریشانی دور کرنے کی کوشش بھی فرماتے۔ مولانا سلفی بہت سادہ لباس استعمال کرتے تھے۔ گرمیوں میں عموماً تہبند استعمال کرتے تھے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ

''ایک دفعہ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے اجلاس میں تہبند باندھ کر شریک ہوئے تو مولانا سید داود غزنوی کو ناگوار گزرا اور مولانا محمد اسمٰعیل سے مخاطب ہوکر فرمایا: میں بحیثیت امیر حکم دیتا ہوں کہ آئندہ کوئی رکن مجلس تہبند باندھ کر نہ آئیں۔ شلوار پہن کر میٹنگ میں شریک ہوں۔''

حدیثِ نبویؐ سے شغف

مولانا سلفی مرحوم کو حدیثِ نبویؐ سے بہت زیادہ محبت تھی اور حدیثِ رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ نے کئی بار مجھ سے فرمایا کہ

''جماعت اہل حدیث میں شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفیؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ جب بھی کوئی مضمون یا کتاب ایسی شائع ہوتی جس میں حدیثِ رسول اللہ ﷺ پر تنقید ہوتی تو یہ دونوں حضرات اس کا فوراً نوٹس لیتے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم اخبارِ اہلحدیث، امرتسر میں فوراً جواب دیتے اور مولانا سلفی مرحوم بھی پہلے اخبارِ اہلحدیث امرتسر میں لکھتے رہے اور قیامِ پاکستان کے بعد 'الاعتصام' لاہور میں ان کے بے شمار مضامین حدیث کی مدافعت ونصرت وتائید میں شائع ہوتے رہے ہیں اور مجھے پختہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں علمائے کرام کو حدیث نبویؐ کی مدافعت اور نصرت میں اجرِ عظیم عطا کرے گا۔'' مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ

''خاکسار بھی حدیث کے معاملہ میں کسی قسم کی مداہنت برداشت نہیں کرسکتا جب بھی کوئی مضمون حدیث کی تنقیص میں شائع ہوتا ہے تو فوراً اس کا جواب الاعتصام میں شائع کرتا ہوں۔ میرے علاوہ حافظ عبدالقادر روپڑیؒ کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حدیث کے معاملہ میں بہت زیادہ متشدد اور سخت ہیں۔ جب کوئی مضمون حدیث کے خلاف ان کی نظر سے گزرتا ہے تو تحریر وتقریر کے ذریعہ دلائل سے جواب دیتے ہیں اور حدیث کے مخالفین کو مناظرہ کا چیلنج دیتے ہیں۔''

مولانا اسمٰعیل سلفی مرحوم کی تمام تصانیف حدیثِ نبویؐ کی تائید وحمایت میں ہیں، جن کا تعارف آگے آرہا ہے۔

سیاسی خدمات

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی ایک جید عالم دین، مفتی، مدرّس اور خطیب ومقرر تھے۔ مفسر قرآن تھے، محدث تھے، مؤرّخ، نقاد اور محقق تھے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو سیاسی بصیرت بھی عطا کی تھی۔

تحریک استخلاصِ وطن میں ان کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ برصغیر کی آزادی سے قبل ان کی جوانی علم دین حاصل کرنے اور انگریزوں سے وطن عزیز کو آزاد کرانے میں گزری۔ آزادی کی لڑائی انہوں نے کانگرس کے پلیٹ فارم سے لڑی۔ وہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید محمد داود غزنوی اور دوسرے کانگرسی مجاہدین آزادی کے شانہ بشانہ ہوکر آزادئ وطن کے لئے لڑتے رہے اور کئی بار اسیر زنداں ہوئے۔

قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں کوشاں رہے اور تحریر وتقریر کے ذریعہ حکومتِ پاکستان کی توجہ اس طرف مبذول کراتے رہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے، اس میں کتاب وسنت کو نافذ اور رائج کیا جائے۔

۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک: ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف تحریک چلائی گئی کہ ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ حکومت نے علمائے کرام پر بہت سختیاں کیں۔ لاہور میں مارشل لاء نافذ کردیا گیا اور علمائے کرام کو جیلوں میں بند کردیا گیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کو بھی گرفتار کرکے گوجرانوالہ جیل میں بند کردیا گیا۔ اس وقت تو حکومت نے قادیانیوں کو اقلیت قرار نہ دیا لیکن ۱۹۷۷ء میں ذوالفقار علی بھٹو جو اس وقت پاکستان کے وزیراعظم تھے، نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دے دیا۔

اسلامی آئین کی تشکیل کے لئے علما کا بورڈ: ۱۹۵۲ء میں حکومتِ پاکستان نے علامہ سید سلیمان ندوی کی سربراہی میں ۳۱ علمائے کرام پر مشتمل ایک بورڈ بنایا کہ وہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں حکومت کو تجاویز اور سفارشات پیش کریں۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی اس بورڈ کے رکن تھے۔

جماعتی خدمات

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی نے جماعتِ اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں جو گرانقدر خدمات سرانجام دیں، اس کی مثال تاریخ اہلحدیث میں ملنی مشکل ہے۔ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی نے جماعت اہلحدیث سے جو رشتہ جوڑا، وہ روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں انجمن اہلحدیث پنجاب کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے صدر مولانا عبدالقادر قصوری اور ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری کو بنایا گیا اور مجلس عاملہ کے ارکان درج ذیل علمائے کرام تھے:

مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا محمد اسمٰعیل سلفی، مولانا قاضی عبدالرحیم، مولانا محمد علی لکھوی اور حکیم نورالدین۔

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی مجلس عاملہ کے رکن بھی رہے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد مولانا سید محمد داود غزنوی کی سعی سے مغربی پاکستان میں جمعیتِ اہلحدیث کا قیام عمل میں

آیا۔۲۴/ جولائی ۱۹۴۸ء کو تقویۃ الاسلام شیش محل روڈ لاہور میں علمائے اہلحدیث کا ایک اجلاس مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں اس وقت تین عہدے دار منتخب کئے گئے

صدر: مولانا سید محمد داؤد غزنوی ناظم اعلیٰ: پروفیسر عبدالقیوم ناظم مالیات: میاں عبدالمجید

اور مجلس عاملہ کے ارکان درج ذیل علماء کو بنایا گیا:

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا محمد اسمٰعیل سلفی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا محی الدین احمد قصوری، مولانا محمد علی قصوری، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا سید اسمٰعیل غزنوی، مولانا معین الدین لکھوی اور حاجی محمد اسحٰق حنیف امرتسری۔

اپریل ۱۹۴۹ء میں پروفیسر عبدالقیوم نے نظامتِ اعلیٰ سے استعفیٰ دے دیا تو ان کی جگہ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ آپ ۱۶/ دسمبر ۱۹۶۳ء تک جمعیتِ اہلحدیث مغربی پاکستان کے ناظم اعلیٰ رہے۔ ۱۶/ دسمبر ۱۹۶۳ء کو مولانا سید محمد داود غزنوی نے انتقال کیا تو مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کو امیر منتخب کیا گیا اور پروفیسر سید ابوبکر غزنوی کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل اپنے انتقال ۲۰/ فروری ۱۹۶۸ء تک جمعیت اہلحدیث کے امیر رہے۔

جامعہ سلفیہ، فیصل آباد کا قیام: آپ کے دورِ نظامت میں اپریل ۱۹۵۵ء کی لائل پور کانفرنس میں جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں آیا۔ ابتدا میں جامعہ سلفیہ میں تعلیم کا آغاز تقویۃ الاسلام، شیش محل روڈ لاہور میں ہوا اور یکم جون ۱۹۵۶ء کے 'الاعتصام' میں جامعہ سلفیہ کا نصاب شائع کیا گیا۔ جس کے لئے مولانا سید محمد داوٴد غزنوی کو علومِ قرآن، مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کو اصولِ حدیث، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کو حدیث، مولانا محمد حنیف ندوی کو عربی ادبیات، نظم ونثر اور مولانا شریف اللہ خان کو علومِ فقہیہ وکلامیہ کی تدریس کی ذمہ داریاں دی گئیں۔

۲۲ جون ۱۹۵۶ء کو لائل پور (فیصل آباد) کی جامع مسجد اہلحدیث امین پور بازار میں جامعہ سلفیہ کے ثانوی درجے کا افتتاح کیا گیا۔ ۲۲ جون کو جمعہ تھا۔ جمعہ کا خطبہ مولانا سید محمد داوٴد غزنوی نے ارشاد فرمایا۔ مولانا غزنوی نے اپنے خطبہ جمعہ میں لاہور میں تدریس کے آغاز کا ذکر فرمایا اور جامعہ سلفیہ کے محل وقوع میں تعلیم کے سلسلہ کو باقاعدہ کرنے کی راہ میں جو مشکلات حائل تھیں، ان کی تفصیل بیان فرمائی۔

فیصل آباد میں مولانا عبداللہ دہروالوی کا مدرسہ دارالقرآن والحدیث جاری تھا۔ مولانا سید محمد داوٴد غزنوی اور مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کی خواہش تھی کہ مولانا عبداللہ اپنے مدرسہ کو جامعہ سلفیہ میں مدغم کردیں لیکن وہ اس پر رضا مند نہ ہوئے۔ مولانا سید محمد داوٴد غزنوی اور مولانا محمد اسمٰعیل سلفی ۸/ جولائی ۱۹۵۶ء کو فیصل

آباد تشریف لے گئے۔ مولانا عبداللہ سے تفصیلی گفتگو ہوئی لیکن وہ رضامند نہ ہوئے۔

مولانا سید داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسمٰعیل نے حاضرین سے خطاب کیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل نے اپنی تقریر میں جماعت اہلحدیث کی تاریخ اور اس کے مسلک کی وضاحت کی اور اس کے ساتھ جامعہ سلفیہ کے قیام اور اہلحدیث مدارس کے طریق تعلیم اور نصابِ تعلیم پر روشنی ڈالی۔ مولانا سلفی مرحوم نے نصابِ تعلیم کے بارے میں فرمایا:

''ہمارے مدارس کے ناقص نصابِ تعلیم اور جماعت بندی کے فقدان نے طلبا کے تعلیمی معیار کو اس بری طرح گرا دیا ہے کہ اچھے اور مستعد طلبا کا ملنا بے حد دشوار ہوگیا ہے۔ یہ صورتِ حال اس وقت سامنے آئی جب ہم نے جامعہ سلفیہ کے درجہ تکمیل کے لئے طلبا سے درخواستیں طلب کیں۔ ان سے انٹرویو میں معمولی سوالات کئے، تو ان کی اکثریت ان کے صحیح طور سے جواب نہ دے سکی۔ وہ سب اپنے اپنے مدارس کے فارغ التحصیل طالب علم تھے۔ لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ صحاحِ ستہ تو پڑھی ہیں لیکن اُصول فقہ میں اُصولِ شاشی تک نہیں پڑھی۔ منطق میں مرقاۃ تک کا علم نہیں، ویسے وہ فارغ التحصیل ہیں۔ اردو کے ایک معمولی جملے کا عربی میں ترجمہ نہیں کرسکتے۔ ہم صرف تین طالب علم درجہ تکمیل میں داخل کرسکے ہیں۔ کئی درخواستیں مسترد کردی گئیں اور ۹ طالب علم اس شرط پر رکھے گئے کہ وہ ایک سال میں درجہ خاص (سپیشل کلاس) میں تعلیم حاصل کریں گے اور جن علوم کی کمی ہے اسے پورا کریں گے تاکہ آئندہ سال درجہ تکمیل میں داخل ہوسکیں۔''

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی جامعہ سلفیہ کمیٹی کے رکن بھی تھے۔ صدر مولانا سید محمد داؤد غزنوی تھے۔ مولانا سلفی ناظم تعلیمات بھی رہے ہیں۔

مولانا سلفی کے علم وفضل کا اعتراف

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی علم وفضل کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے۔ بڑے حساس، ذہین، فطین اور شگفتہ مزاج تھے۔ ایک وسیع النظر عالم دین اور صاحبِ فکر وبصیرت انسان تھے۔ آپ کا تدبر وتفکر، سیاسی سوجھ بوجھ، معاملہ فہمی، شرافتِ نفس، ذکاوتِ حس، اخلاص، صبر وضبط، اور استقلال و بسالت کا سکہ مخالف وموافق سبھی تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ مولانا سلفی مرحوم جدید وقدیم کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتے تھے اور اپنی خصوصیات، اوصاف اور کمالات کی بنا پر اپنے معاصرین میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام کے مالک تھے۔

مشہور دیوبندی عالم مولانا محمد علی کاندھلوی مرحوم نے ایک دفعہ راقم سے فرمایا کہ میں ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک میں گوجرانوالہ جیل میں نظر بند تھا۔ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی مرحوم بھی میرے ساتھ نظر بند تھے

اور ان کے سوہدرہ کے مولانا عبدالمجید خادم اور حکیم عنائت اللہ نسیم سوہدروی بھی ہمارے ساتھ تھے۔ میں نے ایک دن مولانا محمد اسمٰعیل سلفی مرحوم سے عرض کیا کہ آپ یہاں جیل میں 'حجۃ اللہ البالغہ' کا درس دیا کریں۔ مولانا سلفی مرحوم نے میری اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔ چنانچہ آپ نے گھر سے حجۃ اللہ البالغہ منگوائی اور دوسرے دن 'حجۃ اللہ البالغہ' کا درس شروع کر دیا۔ مولانا محمد علی کاندھلوی نے فرمایا:

''میں نے حجۃ اللہ البالغہ مولانا شبیر احمد عثمانی سے پڑھی تھی، اور میرا یقین تھا کہ جس طرح مولانا عثمانی مرحوم 'حجۃ اللہ البالغہ' کا درس دیتے ہیں، ان جیسا کوئی دوسرا عالم درس نہیں دے سکتا۔ لیکن جب مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کا درس سنا تو مجھے اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔ مولانا سلفی جس انداز سے حجۃ اللہ البالغہ کے مسائل کی تشریح فرماتے تھے۔ اس طرح کوئی دوسرا مدرّس تشریح نہیں کرسکتا تھا اور اس وقت میرا یقین پختہ ہوگیا کہ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی ایک جید عالم دین ہیں۔ علومِ اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع ہے اور جماعت اہلحدیث کے ایک قیمتی سرمایہ ہیں۔''

سید سلیمان ندوی سے تعلقات

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کے علامہ سید سلیمان ندوی سے دوستانہ تعلقات تھے۔ سید صاحب مولانا سلفی مرحوم کے علم وفضل کے معترف تھے۔ خط وکتابت اور مراسلت کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور سید صاحب مولانا مرحوم کی بہت قدر کرتے تھے۔ مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم اور مولانا عبدالقادر ندوی صدر جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کو مولانا سلفی کی سفارش پر سید صاحب نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ دیا تھا۔ اپریل ۱۹۳۳ء میں جب سید صاحب لاہور تشریف لائے اور ادارۂ معارفِ اسلامیہ کے اجلاس میں شرکت فرمائی تو اجلاس کے اختتام پر سید صاحب گوجرانوالہ تشریف بھی لے گئے۔ گوجرانوالہ میں آپ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی اور مولانا محمد چراغ مرحوم سے بھی ملے۔ سید صاحب نے اس کا ذکر معارف اعظم گڑھ میں کیا ہے۔

علمائے سلف سے محبت

مصلحین اُمت میں امام احمد بن حنبل، امام ابن حجر عسقلانی، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید اور امام محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ اجمعین سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ ان حضرات کی تصانیف کا مطالعہ بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے اور اپنے تلامذہ کو بھی ان کی تصانیف کے مطالعہ کی ترغیب دیتے تھے۔

علمائے اہلحدیث میں شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مولانا سید نواب صدیق حسن خان، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا قاضی احمد سلیمان منصور پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا سید عبدالجبار

غزنوی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی اور مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہم اللہ اجمعین سے انہیں والہانہ عقیدت تھی اور ان کے علم وفضل کے معترف تھے۔

کتب خانہ

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کا کتب خانہ انفرادی کتب خانوں میں بہت بڑا کتب خانہ تھا اور ہر موضوع سے متعلق عمدہ کتابوں کا ذخیرہ ان کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ ان کے پاس تفسیر، حدیث، شروح، فقہ، اُصولِ فقہ، اُصولِ حدیث، تاریخ وسیر، اسماء الرجال اور فنون کی تمام کتابیں موجود تھیں۔ اُردو کتابوں کا بھی کافی ذخیرہ تھا۔ اردو کے علمی رسائل واخبارات کے کئی فائل ان کے کتب خانہ میں موجود تھے۔ علم حدیث اور علم فقہ سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ حدیث کی کتابوں کی کافی شروح ان کے کتب خانہ میں موجود تھیں اور اس کے علاوہ چاروں فقہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) اور فقہ جعفریہ کی کتابیں بھی ان کے پاس موجود تھیں۔ فتاویٰ پر بھی ان کے پاس کافی کتابیں تھیں۔ وہ ہر موضوع سے متعلق تمام کتابوں کا باقاعدہ مطالعہ کرتے تھے اور اہم مقامات پر نوٹ لکھتے۔

سوانح حیات

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی ۱۸۹۵ء میں تحصیل وزیرآباد کے قصبہ 'ڈھونیکی' میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولانا حکیم محمد ابراہیم تھا۔ جو جید عالم دین، حاذق طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پایہ کے خوشنویس بھی تھے۔ آپ عرصہ تک مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی کا رسالہ 'اشاعۃ السنۃ' کتابت کرتے رہے۔ اس کے علاوہ آپ نے امام حدیث مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کی مشہور کتاب 'تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی' جو چار جلدوں میں ہے کی کتابت بھی کی۔ تحفۃ الاحوذی کے ٹائیٹل پر یہ عبارت درج ہے: کتبہ محمد ابراہیم: موضع ڈھونیکی، تحصیل وزیرآباد، ضلع گوجرانوالہ

مولانا محمد اسمٰعیل نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا حکیم محمد ابراہیم سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دارالحدیث وزیرآباد تشریف لے آئے۔ دارالحدیث وزیرآباد میں استادِ پنجاب شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی توحید وسنت کی اشاعت میں سرگرمِ عمل تھے۔ استادِ پنجاب کے علاوہ اس مدرسہ میں مولوی عمرالدین وزیرآبادی اور استادِ پنجاب کے صاحبزادہ مولوی عبدالستار مرحوم بھی مدرّس تھے اور ایک مدرّس مولوی تاج الدین بھی تھے۔

مولانا محمد اسمٰعیل نے صرف ونحو کی کتابیں مولوی تاج الدین سے پڑھیں۔ مولوی عمرالدین سے فارسی کتابیں گلستان، بوستان وغیرہ پڑھیں اور مولوی عبدالستار صاحب سے سنن نسائی کا رُبع اوّل پڑھا اور

استادِ پنجاب سے جملہ علوم وفنون، قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ، عربی ادب، منطق و فلسفہ اور عقائد وکلام میں استفادہ کیا۔

وزیرآباد میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی ان دنوں علم وفن کا مرکز تھا۔ یہاں پر شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی تحریکِ علمی کے گہرے نقوش تھے۔ آپ نے مدرسہ امینیہ، دہلی میں داخلہ لیا اور مولانا محمد قاسم سے فقہ کے اسباق پڑھے، لیکن عامل بالحدیث ہونے کی وجہ سے جلد ہی مدرسہ سے خارج کردیئے گئے۔ اس کے بعد آپ نے مدرسہ دارالکتاب والسنۃ، صدر بازار دہلی کا رخ کیا، جہاں مولانا عبدالوہاب ملتانی صدر مدرّس تھے اور مولانا عبدالرحمٰن ولایتی مدرّس تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن ولایتی بلند پایہ عالم دین، محدث اور فقیہ تھے۔ شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان سے مولانا محمد اسمٰعیل نے حدیث اور معقولات کی کتابیں پڑھیں اور اس کے بعد مولانا عبدالجبار عمرپوریؒ (جدِامجد مولانا عبدالغفار حسن) سے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر فتح البیان کے بعض اجزا پڑھے۔ مولانا عبدالجبار ان دنوں مکفوف البصر (نابینا) ہوگئے تھے۔

اس کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل واپس وطن وزیرآباد تشریف لے آئے اور دوبارہ استادِ پنجاب کی خدمت میں حاضر ہوکر تفسیر وحدیث کی سند حاصل کی۔ اور اس کے بعد دوبارہ دہلی تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں عالمی جنگ زوروں پر تھی۔ دہلی کے حالات کافی حد تک خراب تھے، جس کی وجہ سے مولانا محمد اسمٰعیل اپنے سبق صحیح طور پر شروع نہ کرسکے۔ ان دنوں استاذالاساتذہ مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری دہلی میں قیام فرما تھے۔ مولانا محمد اسمٰعیل ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے درسِ قرآن سے مستفیض ہوتے رہے۔

دہلی میں حالات چونکہ خراب تھے۔ اس لئے مولانا محمد اسمٰعیل دہلی سے امرتسر تشریف لے آئے۔ امرتسر بھی ان دنوں علم وفن کا مرکز تھا۔ حضرت مولانا عبداللہ غزنویؒ نے مدرسۂ غزنویہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی تھی جس میں مولانا سید عبداللہ غزنوی اپنی زندگی میں قرآن و حدیث کا درس دیتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادگان مولانا عبداللہ بن عبداللہ غزنوی، مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی اور مولانا سید عبدالجبار غزنوی رحمہم اللہ اجمعین اس مدرسہ میں قرآن وحدیث کا درس دیتے رہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل جب امرتسر تشریف لائے تو اس وقت مولانا عبدالرحیم بن مولانا سید عبداللہ غزنوی، مولانا عبدالغفور بن مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی اور مولانا محمد حسین ہزاروی داماد مولانا عبدالجبار غزنوی مدرسۂ غزنویہ کے روح رواں تھے۔ مولانا محمد اسمٰعیل نے ان ہر سہ علما سے جملہ علوم اسلامیہ میں

استفادہ کیا۔منطق وفلسفہ کی کتابیں مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور سے پڑھیں۔طب کی تعلیم امرتسر میں مولوی حکیم محمد عالم امرتسری سے حاصل کی۔مولوی حکیم محمد عالم اسلامیہ ہائی سکول میں عربی کے استاد تھے۔مسلکا بریلوی تھے لیکن بڑے وسیع الظّرف تھے۔

امرتسر میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل واپس وزیرآباد تشریف لائے اور اس کے بعد مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اپنے وقت کے مشہور مناظر، مفسر قرآن اور کامیاب مصنف تھے اور مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ کے دستِ راست تھے۔مولانا محمد اسمٰعیل نے مولانا سیالکوٹی سے تفسیر قرآن میں استفادہ کیا۔مولانا محمد اسمٰعیل فرمایا کرتے تھے کہ

''مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا درسِ قرآن مناظرانہ انداز سے بہت مفید ہوتا تھا۔ میں نے تفسیر بیضاوی مولانا سیالکوٹی سے شروع کی مگر مقامی مشاغل کی وجہ سے چند اسباق ہی پڑھ سکا۔ اس کے بعد چھٹی ہوگئی۔''

۱۹۲۱ء میں مولانا محمد اسمٰعیل نے جملہ علومِ اسلامیہ سے فراغت پائی۔۱۹۲۱ء میں ملک میں آزادی کا آغاز ہوچکا تھا اور رواٹ ایکٹ نافذ ہوچکا تھا۔مجلس خلافت نے ترکی خلافت کے لئے تحریکِ خلافت شروع کردی تھی۔۱۹۲۱ء میں مولانا محمد اسمٰعیل کو مولانا ثناءاللہ امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے گوجرانوالہ میں رہائش اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ مسجدِ اہلحدیث حاجی پورہ میں خطیب مقرر ہوئے۔ چوک نیائیں گوجرانوالہ میں بھی ایک مسجدِ اہلحدیث تھی جواب مرکزی مسجد اہلحدیث کہلاتی ہے۔ اس مسجد کے خطیب مولانا علاؤالدین مرحوم تھے۔مولانا علاؤالدین ضلع ملتان کے ایک گاؤں 'اوچ بھٹیاں' کے رہنے والے تھے۔ شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلویؒ کے شاگرد تھے۔۱۸۷۴ء/۱۲۹۰ھ میں گوجرانوالہ میں اقامت اختیار کی۔۱۹۲۱ء/۱۳۳۹ھ میں انتقال ہوا۔

مولانا محمد اسمٰعیل چند ماہ مسجد اہلحدیث حاجی پورہ کے خطیب رہے۔مولانا علاؤالدین کے انتقال کے بعد آپ کو مسجد اہلحدیث چوک نیائیں کا خطیب مقرر کیا گیا۔ آپ اپنی وفات ۱۹۶۸ء تک اس مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔مسجد اہلحدیث چوک نیائیں کا خطیب مقرر ہوتے ہی آپ نے اس مسجد میں مدرسۂ محمدیہ کی بنیاد رکھی اور اس میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ مدرسہ آپ کی یادگار ہے اور آج بھی اسلام کی نشرواشاعت ،توحید وسنت کی ترقی وترویج اور شرک و بدعت کی تردید وتوبیخ میں کوشاں ہے۔مولانا محمد اسمٰعیل کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔مشہور تلامذہ جنہوں نے کسی نہ کسی حیثیت سے علمی دنیا میں اپنا ایک مقام پیدا کیا، ان میں چند ایک یہ ہیں:

۱۔مولانا محمد حنیف ندوی: مفسر قرآن اور مشہور فلسفی، فلسفہ اسلام کو اپنا موضوع بنایا اور اس پر بہت کچھ لکھا۔
۲۔مولانا محمد اسحٰق بھٹی: مشہور صحافی اور مصنف
۳۔مولانا محمد خالد گھرجاکھی: صاحبِ تصانیف کثیرہ اور بیشتر عربی کتابوں کے ناشر
۴۔مولانا حکیم محمود سلفی: مشہور طبیب، جید عالم دین
۵۔مولانا حافظ اسمٰعیل ذبیح: مشہور عالم، واعظ اور مدرس
۶۔مولانا محمد سلیمان کیلانی: مشہور عالم اور مصنف (مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ کے برادرِ کبیر)
۷۔حکیم عبداللہ خان نصر سوہدروی: مشہور طبیب، پروفیسر طبیہ کالج دہلی
۸۔مولانا معین الدین لکھوی: مشہور عالم، واعظ اور سیاسی رہنما

مولانا محمد اسمٰعیل نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ برصغیر کی تحریکِ آزادی میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔تحریکِ استخلاصِ وطن کے سلسلہ میں کئی بار قید ہوئے اور حرمتِ ختم نبوت کے سلسلہ میں بھی آپ اسیر زنداں رہے۔مولانا محمد اسمٰعیل علم و فضل کے اعتبار سے بلند پایہ عالم دین تھے۔آپ اکابر علمائے اہلحدیث کی جملہ صفات کے حامل اور ایک مثالی شخصیت تھے۔

مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کا ورع اور تقویٰ، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی تواضع، مولانا عبدالواحد غزنوی کا ذوقِ قرآن فہمی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی انگریز دشمنی، مولانا ابوالکلام آزاد کا جوہر خطابت، مولانا عبدالوہاب دہلوی کی شیفتگیٔ سنت، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کا ذوقِ تالیف، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا محمد حسین بٹالوی کا وسعتِ علم، مولانا عبدالقادر قصوری کی متانت اور عمق فکر، مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی شرافت اور تبحر علمی، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی کا ملکہ افتا اور مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کی معاملہ فہمی اور وسعتِ قلبی..... یہ صفات ایک مولانا محمد اسمٰعیلؒ میں موجود تھیں۔

مولانا محمد اسمٰعیل کئی بار حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے، قیامِ مکہ کے دوران آپ نے شیخ ابوبکر توقیر سے تدریس و افتا میں 'اجازہ' حاصل کی۔

جماعتِ اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں ان کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔حدیثِ نبوی ﷺ سے آپ کو والہانہ محبت تھی اور حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ گوجرانوالہ میں تعمیر مساجد میں بھرپور حصہ لیا۔آپ نے جس وقت اس دنیا کو خیر باد کہا، اس وقت آپ نے اس شہر میں اہلحدیث کی ۲۵ ویں مسجد کی تاسیس فرمائی۔(اس وقت گوجرانوالہ میں اہلحدیث مساجد کی تعداد ۶۰ کے قریب ہے۔)

وفات

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی نے نصف صدی تک مسندِ درس و تدریس اور خطابت و افتا کو زینت دینے کے بعد ۲۰؍فروری ۱۹۶۸ء مطابق ۲۰؍ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ بروز منگل بعد نمازِ عصر انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بدھ کے روز بعد نمازِ ظہر گوجرانوالہ میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ مولانا حافظ محمد یوسف گکھڑوی مرحوم نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ راقم کو بھی نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہے۔ جنازہ پر بے پناہ ہجوم تھا شورش کاشمیری مرحوم بھی جنازہ میں شریک تھے۔ انہوں نے اپنے اخبار ہفت روزہ چٹان، لاہور میں لکھا:

''ایسا جنازہ تو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے اور علیین میں مقام عطا فرمائے۔''

اساتذہ

مولانا سلفی نے جن اساتذہ کرام سے مختلف علوم وفنون میں استفادہ کیا، ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ مولانا حکیم محمد ابراہیمؒ
۲۔ مولانا عمر الدین وزیر آبادیؒ
۳۔ مولانا تاج الدینؒ
۴۔ مولوی عبدالستارؒ بن شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ
۵۔ مولانا عبدالرحمٰن ولایتیؒ
۶۔ استاد پنجاب شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادیؒ
۷۔ مولانا محمد قاسم مدرس مدرسہ امینیہ دہلی
۸۔ مولانا عبدالجبار عمر پوریؒ
۹۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ
۱۰۔ مولانا عبدالرحیم غزنویؒ
۱۱۔ مولانا عبدالغفور غزنویؒ
۱۲۔ مولانا محمد حسین ہزارویؒ
۱۳۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ
۱۴۔ مولوی حکیم محمد عالم امرتسریؒ
۱۵۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ
۱۶۔ شیخ ابوبکر تو قیر مکیؒ

(جاری ہے)

ضروری اعلان: ادارۂ محدث سے ملحق وسیع لائبریری (مکتبہ رحمانیہ) میں دینی جرائد ورسائل کیلئے ایک مستقل شعبہ دو برس سے کام کررہا ہے۔ جس میں تمام رسائل وجرائد کا ریکارڈ جمع کرکے ان کو حسن ترتیب کے ساتھ محفوظ بھی کیا جارہا ہے۔ علاوہ ازیں وقیع اور مستند علمی مجلّات کے اشاریہ جات کی تیاری بھی زوروں پر ہے، الحمدللہ اب تک ۲۰ سے زائد علمی رسائل کے مکمل اشاریہ جات ترتیب دیے جاچکے ہیں، مثلاً: ماہنامہ محدث، لاہور (۳۴ سال)..... ماہنامہ محدث، بنارس (۱۶ سال)، ماہنامہ ترجمان الحدیث، لاہور (۱۸ سال)..... ماہنامہ تعلیم الاسلام، مائونکانجن (۱۰ سال)..... ماہنامہ حرمین، جہلم (۱۲ سال)..... سہ ماہی منہاج، لاہور (۱۹ سال)..... ماہنامہ الدعوۃ، لاہور (۱۲ سال)..... ماہنامہ رحیق، لاہور (۳ سال)..... ماہنامہ 'الشریعۃ' گوجرانوالہ (۸ سال)..... ہفت روزہ توحید، امرتسر (۴ سال) اور دیگر بہت سے دینی جرائد

ادارہ نے قدیم رسائل وجرائد کا ریکارڈ جمع کرکے ان پر بھی کام شروع کردیا ہے، وہ افراد جن کے پاس اہم دینی جرائد

۱ آئینۂ پرویزیت ازمولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

۹۱۵صفحات.....طبع سوم، جنوری ۲۰۰۱ء.....ناشر مکتبۃ السلام، وسن پورہ، لاہور

اسلام کے ہر دور میں مسلمانوں میں یہ بات مسلم رہی ہے کہ حدیثِ نبویؐ قرآن کریم کی وہ تشریح اور تفسیر ہے جو صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئی ہے۔ قرآنی اصول واحکام کی تعمیل میں جاری ہونے والے آپؐ کے اقوال و افعال اور تقریرات کو حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ہماری راہنمائی اس طرف کرتا ہے کہ قرآنی اصول و احکام کی تفاصیل و جزئیات کا تعین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ رسالت میں شامل تھا اور قرآن و حدیث کا مجموعہ ہی اسلام کہلاتا ہے جو آپؐ نے امت کے سامنے پیش فرمایا ہے، لہٰذا قرآن کریم کی طرح حدیثِ نبویؐ بھی شرعاً حجت ہے جس سے آج تک کسی مسلمان نے انکار نہیں کیا۔

انکارِ حدیث کے فتنہ نے دوسری صدی میں اس وقت جنم لیا جب غیر اسلامی افکار سے متاثر لوگوں نے اسلامی معاشرہ میں قدم رکھا اور غیر مسلموں سے مستعار بیج کو اسلامی سرزمین میں کاشت کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت فتنہ انکارِ حدیث کے سرغنہ کے طور پر جو دو فریق سامنے آئے وہ خوارج اور معتزلہ تھے۔ خوارج جو اپنے غالی افکار ونظریات کو اہل اسلام میں پھیلانے کا عزم کئے ہوئے تھے، حدیثِ نبویؐ کو اپنے راستے کا پتھر سمجھتے ہوئے اس سے فرار کی راہ تلاش کرتے تھے۔ دوسرے معتزلہ تھے جو اسلامی مسلمات کے ردّوقبول کے لئے اپنی ناقص عقل کو ایک معیار اور کسوٹی سمجھ بیٹھے تھے، لہٰذا انکارِ حد رجم، انکارِ عذابِ قبر اور انکارِ سحر جیسے عقائد ونظریات اس عقل پرستی کا ہی نتیجہ ہیں جو انکارِ حدیث کا سبب بنتی ہے۔

دورِ جدید میں برصغیر پاک و ہند میں فتنہ انکارِ حدیث نے خوب انتشار پیدا کیا اور اسلامی حکومت ناپید ہونے کی وجہ سے جس کے دل میں حدیثِ نبویؐ کے خلاف جو کچھ آیا اس نے بے خوف وخطر کھل کر اس کا اظہار کیا۔ دین کے ان نادان دوستوں نے اسلامی نظام کے ایک بازو کو کاٹ پھینکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور لگا رہے ہیں۔ اس فتنے کی آبیاری کرنے والے بہت سے حضرات ہیں جن میں سے مولوی چراغ علی، سرسید احمد خان، عبداللہ چکڑالوی، حشمت علی لاہوری، رفیع الدین ملتانی، احمد دین امرتسری اور مسٹر غلام احمد پرویز وغیرہ نمایاں ہیں۔ ان میں آخر الذکر شخص نے فتنۂ انکارِ حدیث کی نشرواشاعت میں اہم کردار ادا کیا، کیونکہ انہیں اس فتنہ کے اکابر حضرات کی طرف سے تیار شدہ میدان

www.KitaboSunnat.com

دستیاب تھا جس میں صرف کسی غیر محتاط قلم کی باگیں ڈھیلی چھوڑنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کام کا بیڑہ مسٹر غلام احمد پرویز نے اٹھالیا جو کہ فتنوں کی آبیاری میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔

زیر تبصرہ کتاب 'آئینہ پرویزیت' میں مدلل طریقے سے فتنۂ انکارِ حدیث کی سرکوبی کی گئی ہے، اور مبرہن انداز میں پرویزی اعتراضات کے جوابات پیش کئے گئے ہیں، مصنف کے بقول اس کتاب کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

حصہ اوّل: معتزلہ سے طلوعِ اسلام تک: اس حصہ میں منکرین حدیث کی سلسلہ وار تاریخ انکارِ حدیث کے اسباب اور عجمی تصورات کی اسلام میں درآمد، معتزلہ کے مخصوص عقائد ونظریات اور نتائج پر بحث کی گئی ہے۔

حصہ دوم: طلوعِ اسلام کے نظریات: اس میں حسبنا کتاب الله، عجمی سازش، نظریۂ ارتقا، مساواتِ مردوزن، مرکزِ ملت اور قرآنی نظامِ ربوبیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور عقلی، نقلی اور تاریخی دلائل سے ان نظریات کا محاسبہ کیا گیا ہے۔

حصہ سوم: قرآنی مسائل: یہ 'قرآنی فیصلے' کے جواب میں ہے اور اس میں ان تیرہ مسائل کا ذکر ہے جن کا جواب دینا ضروری تھا اور ان پر قرآن ہی کی رو سے گرفت کی جاسکتی تھی۔ وہ مسائل یہ ہیں: قرآنی نماز، قرآنی زکوٰۃ وصدقات، قربانی، اطاعتِ والدین، ناسخ ومنسوخ، عذابِ قبر، ترکہ اور وصیت، یتیم پوتے کی وراثت، تلاوتِ قرآن پاک، نکاحِ نابالغاں، تعددِ ازواج، غلام اور لونڈیاں، رجم اور حدِ رجم۔

حصہ چہارم: دوام حدیث: یہ حصہ اسلم جیراج پوری کے ان مقالات کے جواب میں لکھا گیا ہے جو 'مقام حدیث' میں مندرج ہیں۔ فن حدیث میں تشکیک کے جن پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے وہ یہ ہیں: روایتِ حدیث، کتابت وتدوین حدیث، تنقیدِ حدیث، اصولِ حدیث، دلائل حدیث اور وضع حدیث وغیرہ۔

حصہ پنجم: دفاعِ حدیث: یہ حصہ مقامِ حدیث کے باقی ماندہ مقالات کے جواب میں لکھا گیا ہے ان مقالات کا بیشتر حصہ کتب احادیث کے داخلی مواد پر اعتراضات اور ان کے جوابات سے متعلق ہے۔ عنواناتِ ابواب یہ ہیں: (۱) حدیث پر چند بنیادی اعتراضات (۲) حدیث اور چند نامور اہل علم وفکر (۳) جمع قرآن، روایات کے آئینے میں (۴) تفسیر بالحدیث (۵) متعہ کی حرمت (۶) حصولِ جنت، احادیث کی رو سے (۷) بخاری کی قابل اعتراض احادیث (۸) خلفاے راشدین کی شرعی تبدیلیاں۔

حصہ ششم: طلوعِ اسلام کا اسلام: اس حصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ طلوع اسلام کا اپنا اسلام کیسا ہے اور

www.KitaboSunnat.com

انکارِحدیث کے بعد وہ دوسرے مسلمانوں کو کس طرح کے اسلام کی راہ دکھانا چاہتا ہے، اس حصے کے ابواب یہ ہیں: (۱) طلوعِ اسلام کا ایمان بالغیب (۲) طلوعِ اسلام اور ارکانِ اسلام (۳) وحی الٰہی سے روشنی حاصل کرنے کا طریقہ (۴) فکر پرویز پر عجمی شیوخ کی اثر اندازی (۵) داعی انقلاب کا ذاتی کردار (۶) پرویزی لٹریچر کی خصوصیت

آخر میں ایک باب بطورِ ضمیمہ شامل ہے جس کا عنوان ہے ''طلوع اسلام سے چند بنیادی سوالات'' یہ سوالات جہاں ایک طرف اس کتاب کا لب لباب ہیں تو دوسری طرف طلوعِ اسلام کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے قبل بھی یہ کتاب دو دفعہ چھپی، لیکن کتابت و طباعت کی خامیوں سے پاک نہ ہوسکی، قارئین کو ہمیشہ اس کی بھدی کتابت کے پیش نظر اسے پڑھنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن یہ اس کتاب کی طبع سوم ہے جو دیدہ زیب کمپیوٹر کتابت ہے اور ان تمام خامیوں سے پاک ہے جن کی قارئین کو عرصے سے شکایت تھی۔ اب اس کا معیار ایسا اعلیٰ ہے کہ انسان اس کتاب کو پڑھنا شروع کرتا ہے تو پڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور کوئی تکان اور ملال محسوس نہیں کرتا۔ اس کتاب کا تمام لائبریریوں اور سب علم دوست حضرات کے پاس ہونا بہت ضروری ہے۔ (مبصر: محمد رمضان سلفی)

۲ شیخ سرہند از جمیل اطہر سرہندی

صفحات: ۲۵۶.....جنوری ۱۹۹۹ء.....پبلشر: ادارۂ اسلامیات، لاہور

برصغیر پاک و ہند میں تاریخ دعوت وعزیمت کا ایک روشن باب شیخ احمد سرہندی ملقب بہ مجدد الف ثانی (۱۵۶۴ء.....۱۶۲۴ء) سے منسوب ہے۔ مغل سلطنت نے جہاں برصغیر میں علوم وفنون اور بہت سے دوسرے ثقافتی اور تمدنی مظاہر کی بنا رکھی، وہاں علوم وافکار کے راستے اِلحاد وزندقہ کی راہ کو ہموار کرنے میں بھی اپنی سعیٔ بد کو بروے کار لائے۔ نصیر الدین ہمایوں نے ایران سے واپسی پر مغل دربار میں ایک کشمکش کی بنا رکھی جو اس کے فرزند اکبر کے عہد میں فتنہ و اِلحاد کے بامِ عروج تک پہنچ گئی۔ جلال الدین اکبر نے دین الٰہی کو ایجاد کیا۔ ملا مبارک کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے توحید کے بعد نبوت کی ضرورت سے انکار کردیا۔ نبوت پر اعتراضات کی روشِ بد کا آغاز کیا بلکہ مجلس میں ابوالفضل نے مجدد الفِ ثانی کی موجودگی میں امام غزالی پر نامعقولیت کی پھبتی کسی۔ عبادات اور شعائرِ اسلام کو عقل کے خلاف ثابت کیا گیا۔ مساجد کو گرانے کا کام شروع ہوا اور عین شاہی محل میں ایک آتش خانہ تیار کرایا گیا جس میں خود اکبر بھی اپنے مخصوص عقائد کے مطابق عبادت کرتا تھا۔ اذان کی بجائے ناقوس اور صور پھونکے جانے لگے۔ ہندو علم الاصنام کے کرداروں برہما، مہاویر، شین، کشن وغیرہ کی تعظیم کی جانے لگی۔ سورج کی عبارت دن میں

www.KitaboSunnat.com

چار مرتبہ کی جانے لگی۔ اکبر خود سورج کے ایک ہزار ناموں کی مالا جپتا۔ اکبر کی تقلید میں تمام درباری داڑھی منڈانے کو خوبی تصور کرنے لگے۔ ماتھے میں قشقہ لگایا جاتا۔ آگ، پانی، درختوں اور دوسرے مظاہر فطرت کی پوجا ہونے لگی۔ خنزیر کے گوشت کو حلال اور کتوں کو متبرک سمجھا جانے لگا۔ گائے کا گوشت حرام اور اس کا پیشاب پوتر قرار پایا۔ سود، شراب اور قمار کی تمام شکلیں حلال تصور کی گئیں۔ لے دے کے ایک کسر باقی رہ گئی اور اسے پورا کرنے کے لئے اکبر نے اپنی تعظیم میں سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ لا إله الا الله أكبر خليفة الله کا کلمہ دین الٰہی کی اساس اور بنیاد ٹھہرایا گیا۔ مختلف شعائر اسلام کی جس قدر توہین کی گئی، قلم اسے لکھتے ہوئے شرمندگی محسوس کرتا ہے۔ الغرض یہ وہ نازک دینی صورت حال تھی جس میں اکثر علماءِ سوء دین سے انحراف کو ذہنا قبول کر چکے تھے۔ اس عالم میں اللہ تعالیٰ نے مجدد الفِ ثانی کو اس فتنہ و الحاد کی سرکوبی کے لئے منتخب کیا، جن کی خدمات کے باعث علامہ اقبالؒ نے فرمایا: ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

پیش نظر کتاب 'شیخ سرہندؒ' اس تاریخ دعوت وعزیمت کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتی ہے۔ اس کتاب کے فاضل مرتب جمیل اطہر سرہندی پیشے کے لحاظ سے صحافی ہیں اور دائرہ صحافت میں ان کی سرگرمیاں گذشتہ چار عشروں پر محیط ہیں۔ جمیل اطہر کے قلم میں جو جرأت و جسارت اور بیباکی کا عنصر ہے، اغلباً یہ بھی حضرت مجدد کی سیرت کا ایک ادنیٰ پرتو ہے۔ جمیل اطہر کے آباؤ اجداد سرہند کی سرزمین میں بستے تھے اور انہیں حضرت مجدد کی خانقاہ اور سلسلۂ طریقت سے ایک ذہنی اور قلبی لگاؤ تھا۔

فاضل مرتب کو ایک مرتبہ ۱۹۵۴ء میں اپنے والد کی ہمراہی میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۸۸ء میں ایک وفد کے ہمراہ سرہند کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مجدد کے ساتھ اسی خاندانی اور شخصی محبت نے انہیں 'حضرت مجدد الف ثانی سوسائٹی' کی تشکیل کا داعیہ بخشا۔ جس کے مختلف جلسوں میں جو متعدد مضامین پڑھے گئے، وہ سب جرعاتِ علمی اب اس ارمغانِ علمی کی شکل میں پیش خدمت ہیں۔ پیش لفظ کے علاوہ اس میں ۲۳ نثری مضامین اور دو اُردو منظومات شامل ہیں۔ ان مضامین میں سات مستقل مضامین خود فاضل مرتب کے قلم سے یادگار ہیں۔

اس مجموعہ مبارک کے مطالعہ سے برصغیر کے ایک خاص عہد میں اس دینی ابتلا کا اندازہ ہوتا ہے جس کے دفاع کے لئے حضرت مجدد نے عظیم تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا۔ عجمی تصوف اور وحدت الوجود کی

www.KitaboSunnat.com

دلدل میں اُتری ہوئی امت کے بے بس افراد کو 'اثبات النبوۃ' اور 'مکتوبات' جیسی تحریروں کے ذریعے ساحل عافیت پر لانے کی کوششیں کی گئیں۔ شعائرِ اسلامی کے انسداد کے باعث مجدد علیہ الرحمہ نے اسلامی تہذیب وثقافت کی روایات کے دفاع میں جو عظیم خدمات پیش کیں، ان کے باعث ملت کو ایک مرتبہ پھر اپنا تشخص نصیب ہوا اور سیاسی سطح پر یہ دوقومی نظریے کی مثبت اساس تھی جس پر آگے چل کر اسلامیانِ ہند نے اپنی سیاسی جدوجہد کو استوار کیا۔ حضرت مجددؒ نے تصوف کی اصلاح وتجدید کے لئے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا اس کی تفصیلات بھی اس مختصر مجموعہ مضامین کا مستقل حصہ ہیں۔ اس کتاب کا اسلوبِ ترتیب موزوں ہے اور اس کے مطالعے سے برصغیر کی تاریخ کے سب سے سیاہ اور سب سے روشن پہلو کا علم اور اِدراک حاصل ہوتا ہے۔ فاضل مرتب اس مقصد میں بخوبی کامیاب ہیں۔ (پروفیسر عبدالجبار شاکر)

۳ ضیاء الکلام شرح عمدۃ الاحکام از مولانا محمود احمد غضنفر

صفحات ۶۶۸..... جون ۲۰۰۰ء..... ناشر نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور

اسلام دین فطرت ہے۔ ہمارا جو کام شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہوگا، وہ فطرت کے عین مطابق بھی ہے اور جو کام کتاب وسنت کے خلاف ہوگا، وہ عین فطرت کے منافی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی شریعت کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھایا اور اس کے بہت سے اسباب پیدا فرما دیئے۔ قرآنِ کریم تو عہدِ نبوی ہی میں مکمل طور پر لکھا ہوا موجود تھا اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں اسے یکجا کر کے ایک مصحف کی شکل دے دی گئی۔ اس طرح تدوین حدیث کا آغاز بھی عہدِ نبوی میں ہی ہوگیا تھا۔ پھر صحابہؓ نے لکھ کر اور بعض نے اسے اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے پروان چڑھایا۔ حتیٰ کہ پانچویں صدی ہجری میں تدوین حدیث کا کام اپنے تہذیبی وترتیبی مراحل سے گزر کر تکمیل کو پہنچا اور محبانِ رسول ﷺ کے لحہ لحہ کو کتابی شکل جمع کر کے وضع حدیث کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔

تدوین حدیث کی تکمیل کے بعد یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ مختلف حالات کے پیش نظر مختلف عناوین کے تحت اس کا سلسلہ جاری رہا۔ محدثین نے ان پر خصوصاً صحیح بخاری پر مستخرجات، استدراکات، شروحات اور اختصارات لکھے، مختلف عناوین پر مستقل کتب تحریر کی گئیں۔ انہیں عناوین میں سے ایک موضوع احادیثِ احکام کا بھی ہے۔

مختلف ادوار میں اس موضوع پر کتب منصۂ شہود پر آئیں۔ امام عبدالحق اشبیلی ۵۸۱ھ نے چھ جلدوں میں احکام الکبریٰ لکھی۔ ابن تیمیہؒ نے المنتقی من الاخبار المصطفیٰ تحریر کی، اس پر امام شوکانیؒ نے 'نیل الاوطار' کے نام سے شرح لکھی۔ ابن دقیق العید نے 'الالمام فی احادیث الاحکام' لکھی۔ حافظ ابن حجر نے

www.KitaboSunnat.com

'بلوغ المرام' لکھی۔

اسی سلسلہ کی ایک کتاب 'عمدۃ الاحکام عن سید الاحکام' جس کے مصنف امام تقی الدین عبدالغنی ہیں۔ جو ایک جلیل القدر محدث، عظیم فقیہ اور زہد وتقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔ ابن رجب حنبلیؒ اور متعدد جلیل القدر علما نے ان کے متعلق تعریفی کلمات ذکر کئے ہیں اور خود انہیں امیر المومنین فی الحدیث کا خطاب دیا ہے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو منکرات کے خلاف، ہاتھ، زبان اور دل سے جہاد کر کے خدمت دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں اپنے مشن سے برگشتہ نہیں کرسکی۔ امام احیاءِ سنت کا جذبہ صادقہ رکھتے تھے۔ انہوں نے چالیس سے زائد کتب تحریر کیں۔ زیر نظر کتاب عمدۃ الاحکام اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مصنف نے صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احکام سے متعلقہ احادیث کو فقہی ترتیب سے جمع کر دیا ہے تاکہ قاری ان احادیث کو پڑھتے ہوئے کسی قسم کے شک وشبہ کا شکار نہ ہو۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا کہ یہ اکثر دینی مدارس میں شامل نصاب ہے اور اب تک اس کی نصف درجن سے زائد شروحات وحواشی لکھی جاچکی ہیں۔ جن میں ابن دقیق العید کی کتاب 'احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام' اور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن آلِ بسام کی کتاب 'تیسیر العلام شرح عمدۃ الاحکام' قابل ذکر ہیں۔

یہ کتاب چونکہ عربی میں ہے اور اس کی شروحات بھی عربی میں ہیں۔ اس لئے عرصہ سے عمدۃ الاحکام کے ایسے ترجمہ جو عام فہم ہو، زبان سادہ اور اس کے ساتھ ضروری تشریح وتوضیح ہو، کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔

اللہ جزائے خیر دے مولانا محمود احمد غضنفر کو جنہوں نے سلیس اسلوب میں اس کا ترجمہ اور ضروری تشریحات سے اس ضرورت کو کافی حد تک پورا کر دیا ہے۔ کتاب کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ شستہ اور دلآویز زبان میں سب سے پہلے معنی الحدیث کے عنوان سے حدیث کا ترجمہ کیا ہے۔ پھر مفردات الحدیث کے عنوان سے مشکل الفاظ کے معنی، پھر خلاصہ کے طور پر حدیث کا مفہوم۔ پھر اس سے مستنبط مسائل کو الگ الگ عنوانات کے تحت جمع کر کے لغتِ عرب سے نابلد حضرات کے لئے استفادہ کا سامان کر دیا ہے۔

مولانا نے اس تالیف میں خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ آپ کی بہت سی دیگر تالیفات بھی خوب مقبول ہیں۔ ان کے جس شگفتہ اسلوبِ بیان اور شستہ دلآویز زبان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کا ثبوت ان کی کتب جرنیل صحابہؓ، حیاتِ صحابہؓ کے درخشاں پہلو، حیاتِ تابعینؒ کے درخشاں پہلو، صحابیاتِ مبشرات وغیرہ بھی فراہم کرتی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمتِ دین کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور اسے ان کے لئے آخرت کا زادِ راہ بنائے۔

www.KitaboSunnat.com

زیر تبصرہ کتاب ضیاء الکلام شرح عمدۃ الاحکام ۶۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا معیاری کاغذ، نظر امروز کمپوزنگ دیدہ زیب، ٹائٹل اور اس کی خوبصورت اور مضبوط جلد بڑی جاذبِ نظر ہے۔ احادیث احکام پر مبنی اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان کو کرنا چاہئے۔ (مبصر: محمد اسلم صدیق)

۴ صلوٰۃ النبیؐ کے حسین مناظر از ابوانشاء قاری خلیل الرحمٰن جاوید

صفحات ۴۹۶..... قیمت ۲۹۹ روپے..... ناشر جامعہ الاحسان الاسلامیہ، کراچی

'ابوانشاء' کنیت رکھنے والے جناب قاری خلیل الرحمٰن جاوید جامعۃ الاحسان الاسلامیہ، منظور کالونی کراچی کے مدیر ہیں۔ کراچی یونیورسٹی سے ڈبل ایم اے کر رکھا ہے۔ قبل ازیں جناب موصوف کی دو کتب 'مرد وزن کی نماز' اور 'مہد سے لحد تک' منظر عام پر آ کر داد حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی تحریر میں ناصحانہ انداز غالب ہے۔ مصنف نے سلیس اور واضح اسلوب سے کتاب ''صلوٰۃ النبیؐ کی حسین مناظر'' تالیف کی ہے۔ نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب صرف نماز کے گرد گھومتی ہے، لیکن فاضل مصنف نے اسے طہارت سے لے کر نمازِ جنازہ تک پھیلا دیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں عقائد کے بعد سب سے زیادہ اہمیت عبادات کو دی گئی ہے اور عبادات اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں اساسی کردار ادا کرتی ہیں۔

نماز ایسے اہم فریضہ پر اُردو زبان میں جو کتب آج سے پہلے لکھی گئی ہیں، چند ایک کے ماسوا باقی میں مسلکی تعصب، غیر واضح انداز، دقیق انداز بیان اور مسائل میں اُلجھاؤ پایا جاتا ہے۔ لیکن فاضل مصنف نے فقہی اختلافات سے ہر ممکن پہلوتہی اختیار کرتے ہوئے مختلف فیہ مسائل میں ہر طرف کے دلائل نقل کر کے ترجیح اور وجہ ترجیح ذکر کرتے ہوئے قاری کو عمل میں آسانی فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ نماز کو صحیح معنوں میں باہمی اُخوت کی سبیل ثابت کیا ہے۔ اپنے استدلال میں قرآن وسنت اور عمل صحابہ کو محور بناتے ہوئے واضح کیا ہے کہ اسلام جس اجتماعیت کا مسلمانوں سے تقاضا کرتا ہے، وہ نماز کے بغیر ممکن نہیں۔

آپ نے نماز کے موضوع پر قلم اٹھا کر الجھاؤ کے شکار حضرات کے لئے اطمینان کا راستہ نکالا ہے تاکہ وہ نماز کی ایمانی لذت حاصل کرسکیں۔ چنانچہ نماز کے متعلقہ کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں تشنگی پائی جائے۔ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں عبادت کا بیان ہے، جس میں مقصدِ عبادت، مطلب عبادت، فلسفہ عبادت، اہمیتِ نماز، فوائدِ نماز، مقبول نماز کے علاوہ بہت سے پہلوؤں پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ دوسرا باب طہارت کے فقہی مسائل پر مشتمل ہے، تیسرا باب طہارت کے اہم پہلو 'وضوٗ' کے بارے میں ہے۔ چوتھا باب لباس اور ستر کے لئے خاص کیا گیا ہے۔ جبکہ پانچواں باب تاریخی اعتبار سے اہمیت کا

www.KitaboSunnat.com

حامل ہے کہ اس میں مساجد کی تاریخ، شرعی حیثیت اور آداب کو واضح کیا گیا ہے۔ چھٹا باب اوقاتِ نماز اور ساتواں باب اذان کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ آٹھواں باب صف بندی کے موضوع کو لئے ہوئے۔ نواں باب امامت، نماز باجماعت کے عنوان پر ہے جس میں عورت کی امامت جیسے نازک فقہی مسئلہ پر مستند شرعی نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے۔ دسواں باب 'سترہ' کے لئے خاص جبکہ گیارہویں باب میں مختلف نمازوں کی رکعات پر سیر حاصل بحث موجود ہے جو نماز تراویح، عیدین، وتر، اشراق جیسی نمازوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جبکہ بارہواں اور آخری باب مسنون طریقہ نماز پر مشتمل ہے، جو نماز اور کتاب کی جان قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس باب میں بہت سارے مسائل پر فاضل مصنف نے تفصیل سے قلم اٹھایا ہے جو انکے وسیع مطالعہ کی دلیل ہے۔ عورتوں کے طریقہ نماز پر بھی ایک مستقل بحث اس باب میں شامل کی گئی ہے۔

فنی اعتبار سے بھی یہ کتاب ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے کہ کتاب کی اجمالی فہرست کے ساتھ ساتھ تفصیلی فہرست بھی دی گئی ہے اور ہر باب کو ایک نئے صفحہ سے شروع کرتے ہوئے ذوق جمال کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ ہر 'باب' بسم اللہ سے شروع ہوتا ہے جس کے اگلے صفحہ پر باب نمبر، اور عنوان باب کے نیچے اس باب کے متعلقہ قرآنی آیت، حدیثِ نبوی یا پھر شعر درج کیا گیا ہے۔ خصوصیت سے کتاب کے آخری باب 'مسنون طریقہ نماز' میں نماز کی ان تمام حالتوں کو تصویری خاکوں سے واضح کیا گیا ہے جہاں عام طور پر قاری اُلجھن کا شکار ہوسکتا ہے اور منقولات کے ساتھ معقولات کا بھی ایک درجہ تک اہتمام کیا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں اسماء حسنیٰ کے فضائل، اسماء حسنیٰ کا معانی کے ساتھ خانوں میں اندراج، دعاے قنوت اور قنوت پڑھنے کا طریقہ، بارگاہِ ایزدی میں التجائیہ دعا اور نظم ''سر جھکا اے بے نماز!'' کے علاوہ یادشتوں کے لئے مخصوص صفحہ سے کتاب کے اشاعتی حسن کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

''صلوٰۃ النبی کے حسین مناظر'' میں برمحل شعروں سے بھی کام لیا گیا ہے، اور واقعات سے بھی چاشنی پیدا کی گئی۔ اعلیٰ کاغذ، نفیس پرنٹنگ، فورکلر ٹائٹل اور مضبوط جلد سے کتاب کا گیٹ اپ خوبصورت ہوجاتا ہے۔ اس کتاب پر جامعۃ الاحسان الاسلامیہ، کراچی کے شیخ الحدیث حضرت عبدالرزاق حفظہ اللہ نے مہر تصدیق وتوثیق ثبت کی ہے، جبکہ دیباچہ پروفیسر عبدالجبار شاکر نے تحریر فرمایا ہے۔ جن کے بقول

''یہ کتاب نماز مسنونہ کا انسائیکلو پیڈیا ہے اور عامۃ المسلمین کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔''

یہ کتاب اس اہمیت کی حامل ہے کہ اسے اپنی لائبریری کے لئے ضرور حاصل کیا جائے، ان شاء اللہ 'صلوٰۃ النبیؐ کے حسین مناظر' آپ کے بک شیلف کے لئے خوبصورت اضافہ ہوگی۔ اور یقیناً آپ صلوا کما رأیتمونی أصلی کے منظر دیکھنے پر قادر ہوں گے۔ (مبصر: عبدالشکور ظہیر)

www.KitaboSunnat.com

۵ معراج المومنین [کتاب الصلوٰۃ] از اشفاق الرحمٰن خان

صفحات ۱۷۷ ..... اکتوبر ۲۰۰۰ء

توحید کے بعد اسلام کا سب سے اہم اور عظیم الشان رکن نماز ہے اور نماز مؤمن کی معراج ہے۔ لیکن وہ نماز ہی حقیقی معنوں میں مؤمن کے لئے معراج ثابت ہوگی جو صلوا کما رأیتمونی أصلی کی عملی تصویر ہوگی، وگرنہ یہی نماز روزِ قیامت انسان کے منہ پر ماردی جائے گی۔ روایت ہے کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہؓ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کب سے یہ نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا: چالیس سال سے، فرمایا: "ما صليت لو مُتَّ لمُتَّ على غير أمة محمد ﷺ"

''تیری نماز نہیں ہوئی، اگر تو اسی پر فوت ہوگیا تو تیری موت محمد ﷺ کے دین پر نہیں ہوگی۔''

زیرتبصرہ کتاب نماز کے موضوع پر ہے جسے جناب اشفاق الرحمٰن خان نے مرتب کیا ہے۔ فاضل مؤلف اپنے دل میں دین کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں اور ان کی یہ کتاب نماز کے موضوع پر ایک بہترین کاوش ہے جس میں فاضل مصنف نے نماز اور اس کے متعلقہ طہارت، غسل وغیرہ تمام مسائل کو نہایت ہی عمدہ ترتیب کے ساتھ جمع کردیا ہے۔ زبان سلیس اور اسلوبِ تفہیم سادہ اور سہل ہے۔ مصنف نے اختلافی مباحث سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور اپنی ذاتی رائے بیان کرنے کی بجائے ہر مسئلہ کے تحت اس سے متعلقہ صحیح احادیث کے ذکر پر اکتفا کیا ہے، تاکہ قاری خود فیصلہ کرے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ اکثر بخاری اور مسلم کی احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ احادیث کا ترجمہ سلیس اور عام فہم ہے، اگرچہ بعض جگہ ابہام کی شکایت محسوس ہوتی ہے۔ بعض مقامات پر حدیث سے مستنبط مسائل کو نہایت خوبی سے بیان کیا گیا ہے اور تقریباً نماز کے متعلقہ تمام مسائل کو اجاگر کرکے زیورِ احادیث سے آراستہ کردیا ہے۔

فاضل مصنف کو چاہئے تھا کہ وہ پہلے کتاب کو ابواب پر تقسیم کرتے، پھر ہر باب کے متعلقہ مسائل اس کے تحت ذیلی ترتیب سے رقم کرتے تاکہ قاری کے لئے مزید آسانی پیدا ہوتی۔ مصنف نے کتاب کو ۶۹ عنوانات پر تقسیم کیا ہے۔ بہرحال عنوانات کی ترتیب نہایت عمدہ ہے۔ سب سے پہلے احادیث اور اقوال ائمہ اربعہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہی مطاعِ حقیقی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی کی بات حجت نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد قرآن مجید سے نمازِ پنجگانہ کا ثبوت ذکر کیا ہے۔ پھر پانی کے احکام اور مسائل طہارت (وضو، غسل تیمّم) کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد نماز کی اہمیت، اوقات، اذان کی تفصیلات کا ذکر ہے۔ پھر مسجد کے آداب و مسائل کا تذکرہ ہے۔ پھر نمازِ پنجگانہ کی جماعت کی فضیلت اور اس سے متعلقہ احکام تعداد رکعات، شرائطِ نماز اور نماز کی ترکیب کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس سے پہلے سترہ کے احکام بیان کئے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

فرض نماز کی مفصل ترکیب کے بعد نمازِ وتر، قنوتِ نازلہ اور نمازِ تہجد پھر نمازِ تراویح، اس کے بعد نمازِ جمعہ کی تفصیلات کا ذکر ہے۔ پھر مسافر، عورت، مریض کی نماز کے احکام ذکر کئے ہیں۔ اس کے بعد نفلی نمازوں، عیدین، استسقاء، اشراق وغیرہ کا تفصیل سے ذکر ہے۔

کتاب میں بعض تسامحات بھی ہیں۔ مثال کے طور پر فاضل مصنف نے چھ کلمات کا ذکر کیا ہے: حالانکہ حدیث میں کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ کا ثبوت ہے یا ایک صحابی سے یہ الفاظ ثابت ہیں: أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمد رسول الله ﷺ رہے باقی کلمات تو انہیں کلمہ توحید، تمہید، استغفار اور ردّ کفر وغیرہ کا نام دینا ثابت نہیں اور نہ ہی اوّل، دوم، سوم وغیرہ کی اصطلاح کا کہیں وجود ہے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ اَدعیہ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ وہ بھی اس وقت جب ان کی صحت ثابت ہو جائے۔ انہیں چھ کلموں پر محصور کرنا اور پھر ان کے ساتھ مذکورہ اصطلاحات کا لاحقہ لگانا بدعت کے زمرہ میں آتا ہے۔ اس تسامح کے باوجود مجموعی لحاظ سے کتاب کی عمدگی کا اعتراف نہ کرنا بخل ہوگا۔

اعلیٰ کاغذ، عمدہ کمپوزنگ، دیدہ زیب پرنٹنگ نے کتاب کو اور زیادہ جاذبِ نظر بنا دیا ہے۔ اس لحاظ سے کتاب کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس پر نظر ثانی کا کام جامعہ لاہور الاسلامیہ کے نائب شیخ الحدیث مولانا محمد رمضان سلفی اور مصنف کتبِ کثیرہ مولانا عبدالجبار سلفی نے کیا ہے۔ (مبصر: محمد اسلم صدیق)

خوشخبری ضیاء الکلام خوشخبری

نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور کی طرف سے اردو دینی ادب میں ایک رہنما کتاب کا اضافہ

ضیاء الکلام شرح عمدۃ الاحکام

ترجمہ وتفہیم: مولانا محمود احمد غضنفر

☆ صحیح احادیث کا دیدہ زیب انتخاب ☆ متفق علیہ روایات کا بیش قیمت خزینہ

☆ دینی مسائل واحکام کا قیمتی ذخیرہ ☆ ہر حدیث حوالے سے آراستہ وپیراستہ

☆ متن الحدیث، معنی الحدیث، مفہوم الحدیث، مفردات الحدیث، احکام الحدیث جیسے عنوانات سے مزین

☆ احادیث کا سلیس اور رواں دواں ترجمہ ☆ مشکل الفاظ کی عام فہم تشریح اور دلکش ترتیب

ہر گھر کی ضرورت اور ہر لائبریری کی زینت خود بھی پڑھیں، اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں

نعمانی کتب خانہ: حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون 7321865

www.KitaboSunnat.com

CPL No. 177 Vol: 34 No: 3

MONTHLY
MUHADDIS
LAHORE

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں...... لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں...... لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے...... لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے...... لیکن

  ع جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے...... لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

...... اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

محدث

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فی شمارہ: ۲۰ روپے زرِ سالانہ: ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
99-J, Model Town, Lahore-54700. Phones: 5866476, 5866396